

تہذیبِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

مُدیراءِ اعلیٰ

ڈاکٹر حفیظ عبدالرحمن مدنی

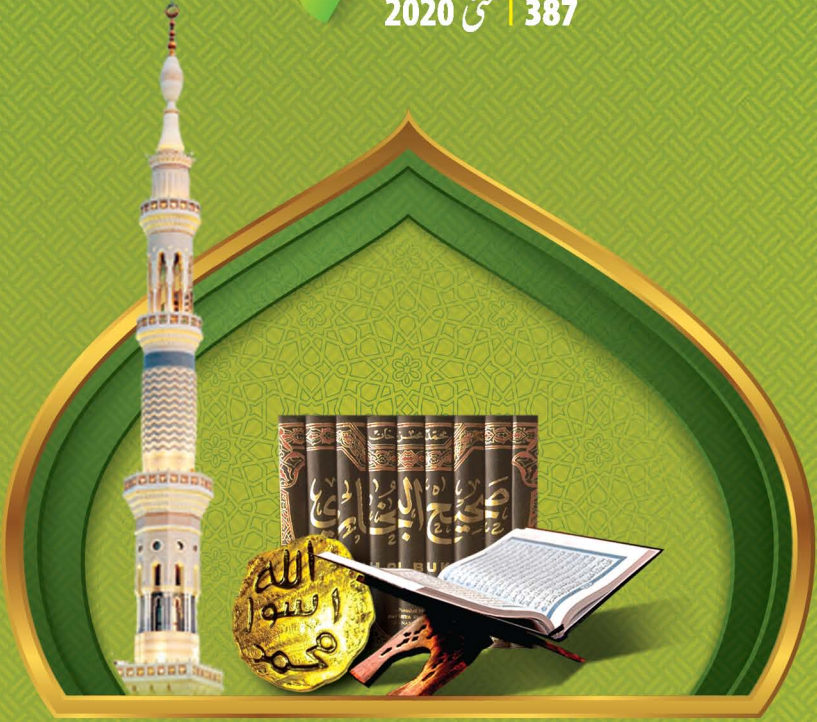
مُدییر

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

لاہور
پاکستان

مُحَدِّث

387 | مئی 2020



4 کورونا وائرس سے احتیاط اور احادیثِ نبویہ ﷺ کی رہنمائی

45 سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر دو اعتراضات اور ان کی حقیقت

64 'قومی اقلیتی کمیشن' میں قادیانیوں کی نمائندگی؟

77 میرے رفیق، میرے عزیز، مولانا عبدالصمد رفیقی رضی اللہ

جامعہ لاہور الاسلامیہ



مجلس تحقیق و ترویج اسلامیہ

1875ء سے تاحال، برصغیر کے جملہ مکاتبِ فکر کی علمی میراث کے احیا کا عظیم الشان انسائیکلو پیڈیا

مجلتیں تحقیقی، استلاخی کے شعبہ رسائل و جرائد کے زیر اہتمام

موسوعہ فہارس مجلاتِ علمیہ

Encyclopedia of Combined Index of Urdu RESEARCH JOURNALS

شعبہ ہذا کی 20 سالہ محنتِ شاقہ اور 25 سے زائد اہل علم و فن کی شبانہ روز کاوشوں کا مظہر

اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور تحریکی حلقوں کے علمی جرائد کے ساتھ، HEC کے تمام تحقیقی جرنلز پر مشتمل

■ 55 علمی جرائد کے 7435 شمارے ■ 16 ہزار مصنفین ■ ڈیڑھ لاکھ علمی مقالات ■ 12 ہزار موضوعات کے تحت ■ 21 جلدوں پر وسیع

زیر سرپرستی ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن منی انتظام ڈاکٹر حافظ انس منی، ڈاکٹر حافظ حمزہ منی علمی نگرانی ڈاکٹر حافظ حسن مدنی ترتیب و تدوین محمد شاہد ضیف و 8 معاونین

1 خصوصاً اُردو بلکہ دنیا کی کسی بھی زبان میں علمی و تحقیقی مضامین کی وسیع ترین فہرست index **2** برصغیر کے ممتاز اہل علم و دانش، اداروں، تحریکات اور یونیورسٹیوں کی تحقیقات محفوظ و مرتب **3** ہزاروں موضوعات پر اپنے اسلاف کی خدمات کو چند منٹوں میں سمجھا کرنا اور استفادہ کرنا ممکن **4** مجلات میں شائع شدہ مضامین پر مشتمل بیسیوں کتب کی تیاری اور علمی تحقیقات تک رسائی انتہائی آسان **5** بے جا کھرا کا خاتمہ، تشہ موضوعات تک رسائی اور تحقیق کے معیار میں غیر معمولی بہتری اور ہم آہنگی **6** محدث لائبریری میں 21 جلدوں میں موجود اور تمام مجلات کے تمام شمارہ جات دستیاب **7** دنیا بھر سے استفادہ کے لئے محدث ویب سائٹس میں مخزینہ مراجع اسلامیہ Center for Islamic Resources کی نئی ویب سائٹ کی تشکیل جہاں چار مزید فہارس پر ڈیکمپس سے بھی افادہ عام ہوگا۔ **8** موسوعہ ہذا کی افادیت، ترتیب، منبج اور طریقہ استعمال پر جامع مقدمہ (نگرانِ علمی کے قلم سے) **9** رڈیٹ، ہلال یا عاقلی قوانین جیسے ہزاروں موضوعات پر تمام مکاتبِ فکر کے سینکڑوں مضامین کی فہرست چند لمحوں میں

موسوعہ میں شامل علمی مجلات کے تمام شمارے

- اشاعت السنۃ، امرتسر، 1878ء ■ فکر و نظر، اسلام آباد، 1963ء ■ محدث، دہلی، 1933ء ■ ترجمان القرآن، لاہور، 1932ء
- محدث، لاہور، 1970ء ■ معارف، اعظم گڑھ، 1916ء ■ حقیق، لاہور، 1956ء ■ برہان، دہلی، 1938ء
- ترجمان الحدیث، لاہور، 1969ء ■ الشریعۃ، گوجرانوالہ، 1989ء ■ زُشد، لاہور، 1994ء ■ بینات، کراچی، 1962ء
- حرین، جہلم، 1991ء ■ الحق، کوڑہ تنک، 1965ء ■ ترجمان السنۃ، 1989ء ■ میثاق، لاہور، 1959ء
- مرقع قادیانیت، امرتسر، 1907ء ■ منہاج، لاہور، 1983ء ■ دفاق المدارس، ملتان، 2000ء ■ فقہ اسلامی، کراچی، 2000ء

فہرست مضامین

- | | | | |
|----|---|---|---|
| 4 | ہکرو نظر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی | کورونادائرس سے احتیاط اور احادیثِ نبویہ <small>صلی اللہ علیہ وسلم</small> کی رہنمائی |  |
| 45 | تحقیق و تنقید
پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> | سیدنا ابو ہریرہ <small>رضی اللہ عنہ</small> پر دو اعتراضات اور اُن کی حقیقت |  |
| 64 | تحقیق و تنقید
حافظ ابو یحییٰ انور پوری | تتبع بنیاد اسلام بل، پر شیعہ کی پریس کانفرنس |  |
| 68 | تحقیق و تجزیہ
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی | ○ قوی التلیق کمیشن، میں قادیانیوں کی فہمائگی؟
○ میراجم، ہمیری مرضی، کانفرہ... ایک تجلیلی جائزہ |  |
| 77 | یاد رفتگان
مولانا عبدالقوی لقمان کیلانی | میرے رفیق، میرے عزیز، مولانا عبدالصمد رفیقی <small>رحمۃ اللہ علیہ</small> |  |
| 92 | تعلیم و تربیت
پروفیسر ملک محمد حسین | یکساں قومی نصاب: ایک بکھرنا خواب! |  |

زر سالانہ = 300 روپے
فی شماره = 60 روپے

بیرون ملک

زر سالانہ = 20 ڈالر
فی شماره = 4 ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No: 984-8
UBL-Model Town
Bank Squire Market, Lahore.

دفتر کاپتہ

99 جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور 54700
042-35866396, 35866476

Email:
Mohaddishr@gmail.com

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni
Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore.

کورونا وائرس سے احتیاط اور احادیثِ نبویہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی رہنمائی

دسمبر ۲۰۱۹ء میں چین کے شہر ووہان سے شروع ہونے والا کورونا وائرس Covid-19 تاریخ انسانی کی مہلک اور وسیع ترین وبا کی حیثیت رکھتا ہے۔ ۱۷۵ ممالک میں اڑھائی کروڑ سے زائد متاثرین میں سے آٹھ لاکھ انسان اس وائرس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر چکے ہیں جن میں ترقی اور صحت کے عالمی معیار کے بلند بانگ دعوے کرنیوالے ممالک سرفہرست ہیں۔ چند ایک کو چھوڑ کر ہر ملک میں کئی مہینوں پر محیط لاک ڈاؤن کیا جا چکا ہے جس سے وسیع پیمانے پر عالمی سفر و سیاحت، صنعت و تجارت، عالمی معیشت اور ملازمتوں کا ٹریلٹون ڈالر زکا نقصان ہو چکا ہے۔ معلوم تاریخ میں عالمی سطح پر اتنی ہلاکتوں، معاشی بحران، اور ویرانی کی کوئی مثال نہیں ملتی!!

سائنسی ترقی اور طبی تحقیقات کے بلند بانگ دعوے کرنے والا انسان اس حقیر وائرس کے سامنے بے بس نظر آتا ہے۔ انسانی وجود میں اس کا علاج تو موجود ہے جو مضبوط مدافعت کی صورت میں اس وائرس کو بے اثر کر دیتا ہے، جبکہ سائنسی ماہرین اس صحت یاب انسان سے حاصل شدہ پلازما کی قدرتی ویکسین سے دیگر انسانوں کے علاج میں کوشاں تو ہیں، لیکن اللہ کی عظمت کے منکر ہیں۔ وائرس کی شدت کی نوعیت یہ ہے کہ یہ بعض صورتوں میں جان لیو اور مہلک ہے۔ اس کا تاحال کوئی علاج دریافت نہیں ہوا۔ اور اس کے پھیلنے کے لامحدود امکانات پائے جاتے ہیں کیونکہ اس کا وائرس ہر سطح پر آسانی سے منتقل ہو سکتا ہے۔ یہ ایسا آن دیکھنا تھا وائرس ہے جس کی ہلاکت خیزی کا علم اس وقت ہوتا ہے جب اس سے بچنے کے امکانات مشکل تر ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کی علامتیں بھی ضروری نہیں کہ ہر مریض میں لازماً پائی جائیں، بلکہ بعض اوقات واضح علامتوں کے بغیر بھی بعض مریض اس کا شکار بن سکتے ہیں۔ ایک بار آجانے کے بعد کسی شہر میں دوبارہ شدید لہر آنے کا خطرہ بھی منڈلاتا رہتا ہے۔

طبی ماہرین کا تجویز کردہ لاک ڈاؤن، سماجی فاصلہ یا مسلسل سطح اور ہاتھوں کو دھوتے رہنا بھی اس کا کوئی علاج نہیں، بلکہ یہ سب ایک نادیدہ وائرس کے سامنے محض ایک احتیاطی تدبیر ہے کہ جب اس کی پہچان ہی کوئی نہیں تو اپنے آپ کو بند کر کے، اس وائرس کو پھیلنے سے ممکنہ طور پر روکا جائے۔ اور اگر یہ وائرس کسی شخص میں منتقل ہو جائے تو پھر نہ صرف چند دنوں میں اس سے سب ملنے والوں کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے بلکہ اس کی شدت، سنگینی اور نقصان بھی تمام تر اللہ جل جلالہ کے فیصلے پر ہی موقوف ہے۔ حتیٰ کہ مرض سے متاثرہ علاقے

کوباقی دنیا سے کاٹ دینے کے باوجود بھی اس کی کلی روک تھام نہیں ہو سکی۔ آٹھ ماہ کا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ابھی تک انسانی زندگی معمول پر نہیں آسکی اور ہر دم ہلاکت و بربادی کا خوف منڈلا رہا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں ہر دور اور ہر مسئلہ کی رہنمائی موجود ہے، کیونکہ اللہ کی یہ ہدایت رہتی دنیا کے لئے کافی و شافی ہے۔ یہ رہنمائی ہر شخص اپنے علم اور مشاہدے سے رحمت الہی کے مطابق حاصل کرتا ہے۔ دور جدید کے اس خطرناک وائرس کے بارے میں بھی احادیث نبویہ ﷺ سے بہت سی رہنمائی ملتی ہے۔ اور مسلمانوں کو زندگی کے ہر مسئلے کے بارے میں قرآن و سنت کا علم رکھنے والے علمائے کرام سے ہی رہنمائی لینا چاہیے:

﴿وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۗ وَكُودُوا إِلَى الرَّسُولِ ۚ وَإِنِّي أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ ۚ لَعَلَّهُمَّ يَحْتَسِبُونَ ۗ وَمِنْهُمْ ۗ﴾ (النساء: ۸۳)

”اور جب کوئی امن کی یا خطرے کی خبر ان تک پہنچتی ہے تو اسے فوراً پھیلا دیتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ اسے رسول ﷺ یا مستند علمائے کرام تک پہنچاتے تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آجاتی جو اس سے صحیح استدلال کر سکتے۔“

مولانا مفتی محمد شفیع اس آیت کی تفسیر میں ’معارف القرآن‘ میں لکھتے ہیں:

”حضرت حسن، قتادہ اور ابن ابی لیلیٰ رحمہم اللہ کے نزدیک اُولی الامر سے علما اور فقہا مراد ہیں۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ اُمرا اور حکام مراد ہیں۔ ابو بکر جصاص ان دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں، اس لئے کہ ’اُولی الامر‘ کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے۔“

بعض علمائے کرام صرف توکل و اعتماد کی تلقین کرتے ہیں تو ڈاکٹر ز اور عالمی اداروں کی ہم نوائی میں حکومتیں صرف اسباب و احتیاط پر زور دیتی ہیں۔ کورونا مریض کے بارے میں قرآن و سنت کی رو سے توکل اور احتیاط کے مابین توازن اور درست توجیہ کیا ہے؟ غیر معمولی احتیاط سے کون سے شرعی احکام متاثر ہوتے ہیں؟ مساجد کو کلیئہ بند کیا جاسکتا ہے یا یہاں مخصوص شرائط عائد کی جاسکتی ہیں؟ ان مخصوص شرائط کے احکام کیا ہیں؟ مرض کی سنگینی میں مسلمانوں کے احتیاط نہ کرنے کی صورت میں مسلم حکومت کس حد تک پابندی عائد کر سکتی ہے...؟

یہ تمام مسائل شرعی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان کے بارے میں معاشرے میں پائی جانے والی افراط و تفریط میں مذکورہ آیت کریمہ کی رو سے قرآن و سنت اور علمائے کرام سے رہنمائی لینا از بس ضروری ہے۔

اَوَّل: اللہ کے فیصلوں پر کُلّی توکل و اعتماد اور مرض کا متعدی ہونا

پہلے توکل کے بارے میں قرآن کریم کی عمومی آیات اور مرض کے متعدی ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں احادیث مبارکہ سے رہنمائی ملاحظہ کریں:

① اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد کا بنیادی عقیدہ قرآن کریم میں جا بجا بیان ہوا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۱﴾
 ”اور جو شخص اللہ پر توکل کرے تو وہ اسے کافی ہے، اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ بلاشبہ اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔“ (الطلاق: ۳)

﴿۲﴾ قرآن کریم میں یہ عقیدہ کئی آیات میں بار بار بیان ہوا ہے:
 ﴿قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ﴿التوبة: ۵۱﴾
 ”آپ ان سے کہیے: ہمیں اگر کوئی مصیبت آئے گی تو وہی آئے گی جو اللہ نے ہمارے مقدر کر رکھی ہے، وہی ہمارا سرپرست ہے اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔“

﴿۳﴾ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں تقدیر میں لکھی جا چکی ہے، اور انسان کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ چنانچہ اسباب پر بے جا اٹھا کر کے، موت سے بھاگنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یوں وعید سنائی:
 ﴿قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بَيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ﴾ ﴿آل عمران: ۱۵۴﴾
 ”آپ ان سے کہیے کہ: اگر تم لوگ اپنے گھروں میں رہتے تب بھی جن لوگوں کے لیے مرنا مقدر ہو چکا تھا، وہ یقیناً اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔“

﴿۴﴾ آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گاہے بگاہے، اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس پر توکل کا مکرر درس دیا کرتے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو آپ نے نصیحت فرمائی:

«يَا غُلَامُ! إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ، احْفَظْ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظْ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَىٰ أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ، قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ لَكَ وَلَوْ اجْتَمَعُوا عَلَىٰ أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللَّهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ».

”اے لڑکے! بے شک میں تمہیں چند باتیں بتلا رہا ہوں: تم اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، وہ تمہاری حفاظت فرمائے گا، اللہ کے حقوق کا خیال رکھو تو اسے تم اپنے سامنے پاؤ گے، جب تم کوئی چیز مانگو تو صرف اللہ سے مانگو، جب تو مدد چاہو تو صرف اللہ سے مدد طلب کرو، اور یہ بات جان لو کہ اگر ساری امت بھی جمع ہو کر تمہیں کچھ نفع پہنچانا چاہے تو وہ تمہیں اس سے زیادہ کچھ بھی نفع نہیں پہنچا

۱ جامع الترمذی: أبواب صفة القيامة والرقائق والورع عن رسول الله ﷺ (باب فضل كلّي قريب هين سهل)، رقم ۲۵۱۶

سکتی جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ دیا ہے، اور اگر وہ تمہیں کچھ نقصان پہنچانے کے لئے جمع ہو جائے تو اس سے زیادہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے، قلم اٹھا لیے گئے اور (تقدیر کے) صحیفے خشک ہو گئے ہیں۔“

⑤ اسی طرح جب ہجرتِ مدینہ کے سفر میں غارِ ثور کے باہر کافر پہنچ گئے اور سیدنا ابو بکر صدیق فکر مند ہو گئے،

تو ایسے سخت وقت میں نبی مکرم ﷺ نے کس طرح اللہ تعالیٰ پر توکل اور اس کی حفاظت کا درس دیا:

﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ (التوبة: ۴۰)

اور وہ ﷺ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے: ”غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“ پھر اللہ نے اس پر

اپنی طرف سے سکونِ قلب نازل کیا اور ایسے لشکروں سے انکی مدد کی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے۔“

⑥ جب سیدنا لوط علیہ السلام نے ظاہری اسباب کی کمی کا شکوہ کیا تو اگلی آیات میں سیدنا شعیب علیہ السلام کی زبانی اللہ تعالیٰ نے اس دعوے کی یوں اصلاح فرمادی:

﴿قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِنْتٌ كَفُّوا عَنْ أَوْحِيَّ إِلَى رَبِّي شَيْئًا ۖ﴾ (هود: ۸۰)

”سیدنا لوط علیہ السلام نے کہا: کاش! میں تمہارا مقابلہ کر سکتا یا کسی مضبوط سہارے کی طرف پناہ لے سکتا۔“

مولانا کیلانی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ

”اگر میرا بھی یہاں مضبوط قبیلہ یا برادری ہوتی تو شاید میں ایسا بے بس اور مجبور نہ ہوتا۔“

پھر سیدنا شعیب علیہ السلام کو جب ان کی قوم نے یہی طعنہ دیا تو انہوں نے یوں توکل کا اظہار کیا:

﴿وَإِنَّا لَنَرُّكَ رَبَّنَا ضَعِيفًا ۖ وَكُلًّا لَنَرُّكَ رَبَّنَا ضَعِيفًا ۖ وَكُلًّا لَنَرُّكَ رَبَّنَا ضَعِيفًا ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيزٍ ۗ﴾ قَالَ يَقُومُ

أَرْهَطِي أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ ۖ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وِرَاءَكُمْ ظَهْرِيًّا ۗ إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُجِيبٌ ۗ﴾

”تم ہمارے درمیان ایک کمزور سے آدمی ہو اور اگر تمہاری برادری نہ ہوتی تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے

اور تم ایسے نہیں جس کا ہم پر کوئی دباؤ ہو۔ شعیب علیہ السلام نے کہا: اے قوم! کیا تم پر میری برادری کا دباؤ

اللہ سے زیادہ ہے جسے تم نے بالکل پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ جو کچھ تم کر رہے ہو میرا پروردگار یقیناً

اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔“ (ہود: ۹۲)

متعدی امراض کے بارے میں براہِ راست احادیث سے رہنمائی

⑦ امراض کے متعدی نہ ہونے کے بارے میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ارشادِ نبوی ہے:

«لَا عَدْوَى وَلَا طَيْرَةَ، وَلَا هَامَةَ وَلَا صَفَرَ، وَفَرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ كَمَا تَفَرُّ مِنَ الْأَسَدِ.»^۱
 ”چھوت لگنا، بدشگونی لینا، اُلُو کا منحوس ہونا، ماہ صفر کے بارے میں بد اعتقاد کی: یہ سب لغو خیالات ہیں۔
 البتہ کوڑھی آدمی سے اس طرح بھاگ جیسے تو شیر سے دور بھاگتا ہے۔“

مولانا عبدالستار الحماد رحمۃ اللہ علیہ، اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”بیماری، اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند ہے مگر کوڑھی آدمی کے ساتھ میل ملاپ اس کا ایک سبب ہے، جب اللہ تعالیٰ اس میں اثر پیدا کر دے۔ اسباب بیماری سے پرہیز کرنا تو کل کے منافی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجذوم آدمی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو تاکہ اللہ کی تقدیر کے سبب بیماری لگ جانے سے ان کے عقیدے میں خرابی نہ آئے، ایسا نہ ہو کہ وہ کہنے لگیں: یہ بیماری ہمیں فلاں آدمی سے لگی ہے۔“

⑧ بدشگونی اور بیماری کے متعدی ہونے کی نفی پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ فرمان نبوی بھی ہے:

«أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَنْ يَدْعَهُنَّ النَّاسُ: النَّيَاحَةُ وَالطَّعْنُ فِي الْأَحْسَابِ وَالْعَدْوَى، أَجْرَبَ بَعِيرٌ فَأَجْرَبَ مِائَةَ بَعِيرٍ، مَنْ أَجْرَبَ الْبَعِيرَ الْأَوَّلَ؟، وَالْأَنْوَاءُ مُطْرِنًا بَنُوءَ كَذَا وَكَذَا.»^۲

”میری امت میں چار باتیں جاہلیت کی ہیں، لوگ انہیں کبھی نہیں چھوڑیں گے: نوحہ کرنا، حسب و نسب میں طعنہ زنی، اور بیماری کا ایک سے دوسرے کو لگ جانے کا عقیدہ رکھنا مثلاً یوں کہنا کہ ایک اونٹ کو ٹھجلی ہوئی اور اس نے سواونٹ میں ٹھجلی پھیلا دی تو آخر پہلے اونٹ کو ٹھجلی کیسے لگی؟ اور ستاروں کا عقیدہ رکھنا۔ مثلاً فلاں اور فلاں ٹھمتر (ستارے) کے سبب ہم پر بارش ہوئی۔“

⑨ جب اونٹوں کے بارے میں کسی نے دوسرے سے مرض لگنے کا دعویٰ کیا تو نبی کریم نے خطبہ ارشاد فرمایا:

فَقَالَ: «لَا يُعِدِّي شَيْءٌ شَيْئًا.» فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! الْبَعِيرُ الْجَرْبُ الْحَشْفَةُ يَذْنِبُهُ فَتَجْرَبُ الْإِبِلُ كُلُّهَا. فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: «فَمَنْ أَجْرَبَ الْأَوَّلَ، لَا عَدْوَى وَلَا صَفَرَ. خَلَقَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ وَكَتَبَ حَيَاتَهَا وَرَزَقَهَا وَمَصَابِئَهَا.»^۳

۱ صحیح البخاری: کتاب الطب (باب الجذام)، رقم ۵۷۰۷

۲ جامع الترمذی: أبواب الجنائز عن رسول الله ﷺ (باب ما جاء في كراهية النوح)، رقم ۱۰۰۱

۳ جامع الترمذی: أبواب القدر عن رسول الله ﷺ (باب ما جاء لا عدوى ولا هامة ولا صفر)، رقم ۲۱۳۳، صحیح لغیرہ

”فرمایا: کسی کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی، ایک اعرابی (بدوی) نے عرض کیا: اللہ کے رسول! خارشتی شرمگاہ والے اونٹ سے (جب اسے باڑہ میں لاتے ہیں) تو تمام اونٹ (کھلی والے) ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر پہلے کو کس نے کھلی دی؟ کسی کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی ہے اور نہ ماہِ صفر کی نحوست کی کوئی حقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نفس کو پیدا کیا ہے اور اس کی زندگی، رزق اور مصیبتوں کو لکھ دیا ہے۔“

توکل اور اسباب: ایک تقابلی تجزیہ

قرآن کریم میں توکل و اعتماد کے مکرر تذکروں کے ساتھ امراض کے متعدی نہ ہونے کے بارے میں احادیثِ نبویہ میں واضح رہنمائی موجود ہے جس بارے میں علمائے کرام میں کئی موقف پائے جاتے ہیں:

① حافظ ابو عمرو ابنِ صلاح شہرزی (م ۶۴۳ھ) وغیرہ نے ’مرض کے متعدی ہونے کی نفی‘ اور ’کوڑھی سے دور بھاگنے‘ کے دو فرامینِ نبوی میں تطبیق کیوں دی ہے کہ

ووجه الجمع بينهما: أن هذه الأمراض لا تُعدي بطبعها، لكن الله سبحانه وتعالى جعل مخالطة المريض بها للصحيح سبباً لإعدائه مَرَضَهُ، ثم قد يتخلف ذلك عن سببه كما في غيره من الأسباب. كذا جمع بينهما ابن الصلاح، تبعاً لغيره.^۳

”دونوں میں مطابقت پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ امراض بذاتہ تو متعدی نہیں ہوتے، بلکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مریض سے میل جول کو تندرست شخص میں مرض کے منتقل ہونے کا سبب بنایا ہے۔ پھر دیگر اسباب کی طرح، بعض اوقات اس شخص پر (حکم الہی سے) سبب مؤثر نہیں ہوتا۔ حافظ ابنِ صلاح نے دیگر علما کی اتباع میں یوں احادیث کو جمع کیا ہے۔“

② ان دونوں احادیث میں مطابقت کا ایک اور موقف ملا علی قاری ہروی (م ۱۰۴۰ھ) نے بھی ذکر کیا ہے:

وَقَدْ يُقَالُ: [الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا] بِأَنَّ النَّفْيَ لِلْإِعْتِقَادِ، وَالْأَمْرَ بِالْفِرَارِ لِلْفِعْلِ، كَمَا تَمَى ﷺ

۱ حافظ ابن حجر نے فتح الباری: ۱۰۹/۱۵۹ تا ۱۶۳ میں اس حوالے سے تمام اقوال اور ان کے دلائل پر تفصیلی بحث کی ہے۔

۲ مقدمة ابن الصلاح في علوم الحديث: ص ۲۸۳؛ اور امام نووی لکھتے ہیں:

وجه الجمع أن الامراض لا تعدى بطبعها و لكن جعل الله سبحانه وتعالى مخالطتها سبباً للاعداء فنفي في الحديث الأول ما يعقده الجاهلية من العدوى بطبعها وأرشد في الثاني إلى مجانبة ما يحصل عنده الضرر عادة بقضاء الله وقدره. (شرح مسلم از نووی: ۳۵/۱)

۳ نزهة النظر في توضيح نخبة الفكر للحافظ ابن حجر: ص ۹۱، طبع ۱۴۲۹ھ

عَنْ الدُّخُولِ فِي بِلَدِ الطَّاغُوتِ مَعَ أَنْ المَعْتَقِدَ أَنْ لَا تَأْثِرَ لغيرِ اللهِ تَعَالَى!'
 ”ان دونوں احادیث کو جمع کرتے ہوئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مرض کے متعدی ہونے کی نفی تو عقیدہ
 کی بنا پر ہے جبکہ متعدی سے دور بھاگنے کا حکم ایک عملی رویہ ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے اس عقیدہ
 کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی مرض کو مؤثر کرنے پر قادر نہیں، اس امر سے روکا ہے کہ
 طاعون والے شہر میں مت جاؤ۔“

یہاں دو احادیث کے ظاہری اختلاف میں دو طرح سے مطابقت کی گئی ہے: پہلی یہ کہ جس طرح مادی
 اسباب خود مؤثر نہیں ہوتے، اسی طرح کوئی مرض بھی از خود دوسرے کو نہیں لگتا بلکہ ہمارا مضبوط عقیدہ یہی ہونا
 چاہیے کہ دراصل کوئی مرض صرف اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہی لاحق ہوتا ہے۔ اور دوسری مطابقت و توجیہ یہ
 ہے کہ پہلے حکم کا تعلق عقیدہ سے ہے جبکہ دوسری کا عملی رویہ ہے۔^۲

چنانچہ آغاز میں ذکر کردہ احادیث میں بتایا گیا ہے کہ اسباب اور امراض کے از خود متعدی ہونے کا عقیدہ
 رکھنا، نہ صرف غلط ہے بلکہ بہت سے توہانہ مسائل کو جنم دیتا ہے۔ سو چنانچہ کہ پہلے شخص کو آخر جس کے
 حکم سے بیماری لگی، باقی افراد کو بھی اسی بنیاد پر مرض لاحق ہوا۔ گویا ان آیات و احادیث میں اللہ عزوجل پر
 توکل کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اسباب اور علاج سے پہلے، انسانی دل و دماغ جب تک اطمینان
 اور حوصلہ میں نہ ہوں، اس وقت تک جسمانی مدافعت بھی کارگر نہیں ہوتی اور عقائد کی مضبوطی ہی انسانی دفاع
 میں بنیادی اور اصلی کردار ادا کرتی ہے۔

③ مذکورہ بالا دونوں مطابقتوں کے علاوہ ایک تطبیق حافظ ابن حجر نے پیش کی ہے اور ان کا استدلال لَا عَدْوَى
 کے نبوی لفظ سے ہے جو ۹ اور ۹ نمبر احادیث میں دوبار مذکور ہے۔ ایسے ہی فَمَنْ أَجْرَبَ الْأَوَّلَ کے
 سوال کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے اس دعوے کو مزید مؤکد کر دیا ہے جو ۸ اور ۹ نمبر احادیث میں ہے۔ پھر
 آپ ﷺ کے فیصلہ کن الفاظ بھی ہیں: «لَا يُعْدِي شَيْءٌ شَيْئًا»... چنانچہ حافظ کہتے ہیں:

۱ شرح نخبة الفكر از ملا علی قاری: ص ۳۶۹، دار الرق، بیروت
 ۲ مرض کے متعدی نہ ہونے کا حکم اعتقادی ہے، اور نبی کریم ﷺ کا متعدی امراض میں عملی رویہ آگے مذکور احادیث میں
 آپ کے فرمان اور عمل سے ثابت ہو رہا ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ عقیدہ و عمل کے دورخ نہیں ہو سکتے، حالانکہ سیدنا
 یعقوب علیہ السلام نے عقیدہ توکل کے باوجود برادران یوسف کو اکٹھے عزیز مصر کے دربار میں داخل ہونے سے روکا۔
 (یوسف: ۶۷) نبی کریم ﷺ نے توکل کے باوجود مدینہ سے ہجرت کی اور مشرکین سے غزوات کئے۔ اور مرگی و دیگر
 بیماریوں میں توکل کی فضیلت ذکر کرنے کے باوجود علاج کو بھی مناسب قرار دیا۔ گویا عقیدہ توکل کے مفہوم میں ہی جائز
 اسباب کو اختیار کرنا بھی شامل ہے، اور یہ توکل کے منافی نہیں، جیسا کہ آگے شیخ ابن تیمیہ کا موقف بھی آرہا ہے۔

والأولى في الجمع أن يُقال: إن نَفِيَهُ ﷺ للعدوى باقٍ على عُمومه، وقد صحَّ قوله ﷺ: «لا يُعَدِي شيءٌ شيئاً»، وقوله ﷺ لمن عارضه بأن البعير الأجرَب يكون في الإبل الصحيحة فيخالطها فتَجْرُبُ، حيث رَدَّ عليه بقوله: «فَمَنْ أَعَدَى الأول؟!». يعني أن الله سبحانه وتعالى ابتدأ بذلك في الثاني كما ابتدأه في الأول. وأما الأمر بالفرار من المجدوم فمن بابِ سدِّ الذرائع، لئلا يتفق للشخص الذي يخالطه شيء من ذلك بتقدير الله تعالى ابتداءً، لا بالعدوى المنفية؛ فيظنُّ أن ذلك بسبب مخالطته؛ فيَعْتَقِدُ صحَّةَ العدوى؛ فيقع في الحرج؛ فأمر بتجنبه حسناً للمادة!

”جمع کرتے ہوئے بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ نبی کریم ﷺ نے امراض کے متعدی ہونے کا جو انکار کیا ہے، وہ اپنی جگہ / عموم پر قائم ہے کیونکہ آپ کا یہ صحیح فرمان ہے کہ ”کسی کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔“ اور آپ ﷺ نے اس شخص... جس نے آپ سے اختلاف کرتے ہوئے کہا تھا کہ خارجی اونٹ، تندرست اونٹوں میں مل کر ان کو بھی بیمار کر دے گا... کی تردید کرتے ہوئے کہا تھا کہ پھر پہلے کو کس نے متاثر کیا تھا؟ آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ (متعدی سبب کی بجائے) اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہی دوسرے میں اس بیماری کو شروع کیا، جیسا کہ پہلے میں آغاز کیا تھا۔ البتہ کوڑھی سے دور بھاگنے کے حکم کی وجہ (حقیقی اثرات کی بجائے) اس خرابی کا راستہ بند کرنا ہے کہ دوسرا میل جول کرنے والا شخص بیماری کے آغاز میں یکجا ہونے پر، پہلے پر اس کا الزام عائد نہ کر دے اور متعدی ہونے کا اعتقاد نہ رکھے، حالانکہ دونوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی مرض آیا ہے، مرض کے متعدی ہونے کے انکار شدہ نظریے کی بنا پر نہیں۔ اس طرح لوگوں میں الجھنیں پیدا ہوں گی۔ تو اس پریشانی کے خاتمے کے لئے نبی کریم ﷺ نے مریض سے میل ملاقات کو روک دیا۔“ واللہ اعلم

فرق یہ ہوا کہ ابنِ صلاح تو سبب کی بنا پر بیماری کے متعدی ہونے کو تسلیم کر رہے ہیں تاہم سبب کے بذاتہ موثر ہونے کی بجائے، اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کے فیصلے (تفاضل و قدر) کی طرف کرتے ہیں، جبکہ ابنِ حجر تین واضح فرامینِ نبویہ کی بنا پر بیماری کے متعدی ہونے کے نظریے کے سرے سے ہی قائل نہیں، اور کوڑھی سے دور بھاگنے کو محض ایک اضافی حکمت اور نبوی مصلحت قرار دے رہے ہیں تاکہ معاشرے میں الجھنیں نہ پھیلیں۔ پہلے اور تیسرے موقف میں فرق کا نتیجہ عملی طور پر یہ نکلتا ہے کہ بقول حافظ ابنِ حجر: جب اصلاً ہی کوئی

مرض متعدی نہیں ہوتا تو راسخ الاعتقاد لوگوں کو مریض سے میل ملاقات کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ بقول حافظ ابن صلاح: امراض میں تعدی کا امکان جب حکم الہی کی بنا پر موجود ہے تو متعدی امراض والوں سے دور رہنا شرعی حکم ہے، تاہم ایسے مرض کے لگنے کو مریض کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ تطبیق و توجیہ میں اس فرق کا اثر شریح حدیث اور علما و فقہاء کے اقوال میں بھی نظر آتا ہے۔ اور اگلے صفحات میں مذکور احتیاط کے نبوی احکام کو بعض علمائے کرام حقیقت کی بجائے صرف اعتقادی کمزوری اور حکمت و مصلحت کا تقاضا قرار دیتے ہیں۔

④ دورِ حاضر کے بعض علمائے حافظ ابن صلاح کے موقف کو زیادہ ترجیح دی ہے، چنانچہ نزہۃ النظر کے شارح طیبہ یونیورسٹی کے اُستاذ ڈاکٹر عبداللہ روحیلی حافظ ابن حجر کے موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بل هذا الجمع لا یصح أن یفسر به حدیث رسول اللہ ﷺ، فضلاً أن یکون هو الأولى. والمعنى الظاهر في حدیث، لا یصح أن یتروک إلا لحدیث آخر. قوله: "من ذلك بتقدير الله ابتداءً، لا بالعدوی المنفیة". هذا لیس بسدید. ویقال فیہ: ومن قال: إن تقدير الله تعالى منافٍ للعدوی أو أن العدوی منافیة لقدّر الله؟! ...! وقوله: "فیظن أن ذلك بسبب مخالطته". هذا هو الواقع أنه بسبب المخالطة، وهو في الوقت نفسه بقدر الله، فلماذا إقامة هذا التعارض بينهما؟! وبأيّ دلیل؟! "ابن حجر والی تطبیق کے ساتھ حدیث رسول کی تفسیر کرنا درست ہی نہیں چہ جائیکہ اسے راجح بھی قرار دیا جائے۔ اور حدیث کے ظاہری معانی کو کسی دوسری حدیث کے بغیر ترک کرنا درست نہیں۔ ابن حجر کا یہ قول کہ "دوسرے کی بیماری آغاز سے ہی اللہ کے حکم سے لگی ہے، انکار شدہ متعدی امر کی بنا پر نہیں" درست نہیں۔ کوئی اس پر یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ کیا اللہ سبحانہ کی تقدیر مرض کے متعدی ہونے کے منافی ہو سکتی ہے، یا مرض کا متعدی ہونا اللہ کی تقدیر کے منافی ہو سکتا ہے؟!... نیز ابن حجر کا یہ کہنا کہ "یہ گمان کیا جائے گا کہ میل جول کی بنا پر یہ مرض لگا ہے۔" حالانکہ یہی واقعاتی بات ہے کہ میل جول سے مرض لگتا ہے اور وہ اسی وقت اللہ کی تقدیر بھی ہوتا ہے تو پھر دونوں میں تعارض کیسے اور کس دلیل سے قائم کیا ہے۔"

⑤ حافظ ابن صلاح کی تطبیق پر دمشق یونیورسٹی کے اُستاذ حدیث شیخ نور الدین عمر کہتے ہیں کہ جواب ابن الصلاح أقوى، وهو أنسب لتفسیر الأمر باجتناّب المخالطة. وقیل

1 نزہۃ النظر فی توضیح نخبة الفکر، تحقیق: ڈاکٹر عبداللہ روحیلی، ص: ۹۲، طبع دوم ۱۴۲۹ھ

لاعدوی خبر أريد به النهي أي لا يُعد أحد غيره.^۱
 ”ابن الصلاح کا جواب زیادہ مضبوط ہے اور مریض و تندرست کے مابین میل جول کو روکنے کی یہی زیادہ بہتر تشریح ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ فرمانِ نبوی: ”کوئی مرض متعدی نہیں۔“ دراصل خبر کی بجائے حکم ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو بیماری نہ لگائے۔“
 ⑥ شیخ محمد صالح العثیمین نے بھی تطبیق دیتے ہوئے حافظ ابن صلاح کے موقف کو اختیار کیا ہے، لکھتے ہیں:

”يجب على ولي الأمر أن يعزل الجذماء عن الأصحاء، أي حجر صحي، ولا بد، ولا يعد هذا ظلماً لهم، بل هذا يعد من باب اتقاء شرهم؛ لأن النبي ﷺ قال: «فَرَّ من المجذوم فرارك من الأسد.»“

وظاهر هذا الحديث يعارض قوله ﷺ: «لا عدوى ولا طيرة». ولا شك في هذا؛ لأنه إذا انتفت العدوى فماذا يضرننا إذا كان المجذوم بيننا، ولكن العلماء رحمهم الله أجابوا بأن العدوى التي نفاها الرسول ﷺ إنما هي العدوى التي يعتقدها أهل الجاهلية، وأنها تعدي ولا بد، ولهذا لما قال الأعرابي: يا رسول الله! كيف يكون لا عدوى والإبل في الرمل كأنها الطباء، - يعني ليس فيها أي شيء - يأتيها الجمل الأجر بفتح جيم؟! فقال النبي ﷺ: «مَنْ أَعْدَى الْأَوَّلِ؟» والجواب: أن الذي جعل فيه الجرب هو الله، إِذَا فالعدوى التي انتقلت من الأجر إلى الصحيحات كان بأمر الله عزّ وجل، فالكل بأمر الله تبارك وتعالى. وأما قوله ﷺ: «فر من المجذوم» فهذا أمر بالبعد عن أسباب العطب؛ لأن الشريعة الإسلامية تمنع أن يلقي الإنسان بنفسه إلى التهلكة.^۲

”حاکم کو چاہیے کہ کوڑھیوں کو تندرستوں سے دور رکھے، یعنی صحت کے لئے دوری۔ یہ ضروری ہے اور ظلم نہیں کہلائے گی، بلکہ اس کو ان کے شر سے بچاؤ سمجھا جائے گا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: کوڑھی سے ایسے دور بھاگو جیسے شیر سے بچتے ہو۔“ یہ فرمانِ نبوی ﷺ بظاہر «لاعدوی و لا طيرة» کے مخالف ہے اور بلاشبہ ایسے ہی ہے کیونکہ جب نبی کریم ﷺ نے امراض کے متعدی ہونے کی نفی کر دی تو پھر ہمیں کوڑھی کے اپنے درمیان ہونے کا کیا نقصان ہے؟ لیکن علمائے کرام

۱ نزہة النظر في توضيح نخبة الفكر، تحقيق: نور الدين عمر: ص ۷۷، مكتبة البشرية، كراچی ۱۴۳۷ھ

۲ الشرح الممتع على زاد المستقبح از شيخ ابن عثيمين: ۱/۱۲۱، دار ابن الجوزي، ۱۴۲۲ھ

نے اس کا جواب دیا ہے کہ نبی کریم نے (ہر متعدی کی بجائے) یہاں اہل جاہلیہ کے عقیدہ تعدیہ کی نفی کی ہے۔ اور امراض متعدی ہوتے ہیں، اس کو مانے بنا چارہ نہیں۔ اسی بنا پر جب دیہاتی نے اعتراض کیا کہ یا رسول اللہ! متعدی کیسے نہیں ہوتے حالانکہ اونٹ بالکل ٹھیک ٹھاک ہوتے ہیں اور انہیں ایک خارجی اونٹ آکر بیمار کر دیتا ہے۔ تو نبی کریم نے پوچھا تھا کہ پہلے کو کس نے بیماری لگائی؟ جس کا جواب یہ ہے کہ بیماری کو اللہ نے ان میں ڈالا۔ چنانچہ وہ متعدی بیماری جو خارش سے صحیح اونٹوں کو لگی، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لگی، سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوتا ہے۔ غرض نبی کریم ﷺ کا فرمان «فَرَّ مِنَ الْمَجْذُومِ» انسانوں کو اسبابِ ہلاکت سے دور کرنے کے لئے ہے کیونکہ شریعتِ اسلامیہ انسان کو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے روکتی ہے۔“

حاصل بحث اور نتیجہ

مذکورہ بالا بحث بیماری کے از خود متعدی ہونے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے، یا سرے سے متعدی ہی نہ ہونے کے گرد گھومتی ہے۔ دور حاضر کی طبی تحقیقات بھی حافظ ابن صلاح کی توجیہ کے قریب تر ہیں جس میں دونوں طرح کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے اور نبی کریم ﷺ کے عملی اقدامات سے بھی انہی کی تائید ہوتی ہے، اگلے صفحہ پر مذکور سیدنا عمر کی تطبیق اور اقدام بھی اسی کے مطابق ہے، جبکہ توکل و اعتماد کی ظاہری تعریف اور بعض احادیث کے اکیلے الفاظ اس کی تائید نہیں کرتے، جب تک ان کے ساتھ دوسری احادیث کو ملا یا نہ جائے۔

یہاں یہ واضح رہنا چاہیے کہ ان مختلف مواقف سے مسلمانوں کے عملی رویہ اور نتیجہ میں بہت زیادہ فرق نہیں آتا کیونکہ عقیدہ توکل کے ساتھ نبی کریم ﷺ نے علاج بھی کیا اور دوائیں لیں، کوڑھی مریض سے عملاً فاصلہ رکھا، اور متاثرہ شہر میں آمد و رفت سے رکنے کے احکام دیے۔ اس بنا پر مختلف توجیہات میں علمی اختلاف کی بنا پر جو شخص نبی کریم ﷺ کی بیان کردہ عملی احتیاط کی مخالفت کرے، وہ بہر حال درست موقف پر نہیں کیونکہ مختلف توجیہات کے باوجود عمل اور نتیجہ بھی صحیح احادیثِ نبویہ سے ہی واضح ہے جو آگے آرہی ہیں۔ راجح بات یہی ہے کہ عقیدہ توکل کے مفہوم میں عملی احتیاطوں اور طبی تدابیر کی احادیثِ نبویہ ﷺ بھی شامل ہیں جن کو ذیل میں ذکر کیا جا رہا ہے:

دوم: وبائی علاقے میں جانے اور وہاں سے نکلنے کی ممانعت

بیماری کے سلسلے میں شریعتِ اسلامیہ ہمیں عملاً پوری احتیاط کی تلقین کرتی ہے، چنانچہ جس علاقے میں بیماری بڑے پیمانے پر پھیل جائے، اس کی طرف سفر کرنا اور وہاں سے نکلنا دونوں ہی ناجائز ہیں۔

① سیدنا سامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«الطَّاعُونَ رَجُزٌ أَوْ عَذَابٌ أُرْسِلَ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَوْ عَلَىٰ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ. فَإِذَا سَمِعْتُمْ بِهِ بِأَرْضٍ فَلَا تَقْدُمُوا عَلَيْهِ. وَإِذَا وَقَعَ بِأَرْضٍ وَأَنْتُمْ بِهَا، فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِّنْهُ»^۱۔

"طاعون (اللہ کی بھیجی ہوئی) آفت یا عذاب ہے جو بنی اسرائیل پر بھیجا گیا یا (فرمایا:) تم سے پہلے لوگوں پر بھیجا گیا۔ جب تم سنو کہ وہ کسی سر زمین میں ہے تو اس سر زمین پر نہ جاؤ اور اگر وہ ایسی سر زمین میں واقع ہو جائے جس میں تم لوگ (موجود) ہو تو تم اس سے بھاگ کر وہاں سے مت نکلو۔"

② سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب شام کی طرف جب نکلے تو سوغ مقام پر ان کو عساکر اسلام کے سپہ سالار سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ملے اور بتایا کہ شام کے علاقے میں وبا پھوٹ پڑی ہے۔ تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اولین مہاجرین کو مشورے کے لئے بلا لیا۔ بعض نے کہا کہ جس نیک کام کے لئے آپ نکل پڑے ہیں، اس سے واپس نہ ہوں، جبکہ دوسروں نے وبائی علاقے سے دور رہنے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محفوظ رکھنے کا مشورہ دیا۔ پھر آپ نے انصاریوں کو بلایا، انہوں نے بھی اولین مہاجرین جیسا ہی مشورہ دیا۔ پھر آپ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام لانے والے قریشیوں کو طلب کیا، ان سب کا متفقہ موقف یہ تھا کہ

نَزَىٰ أَنْ تَرْجِعَ بِالنَّاسِ وَلَا تَقْدَمُ عَلَيْهِمْ عَلَىٰ هَذَا الْوَبَاءِ، فَنَادَىٰ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي النَّاسِ: إِنِّي مَصِيبٌ عَلَىٰ ظَهْرٍ فَأَصْبِحُوا عَلَيْهِ، فَقَالَ أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: أَفَرَارًا مِنْ قَدَرِ اللَّهِ! فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: لَوْ غَيْرَكَ قَالَهَا يَا أَبَا عُبَيْدَةَ! وَكَانَ عُمَرُ يَكْرَهُ خِلَافَةً، نَعَمْ، نَفَرْنَا مِنْ قَدَرِ اللَّهِ إِلَىٰ قَدَرِ اللَّهِ؛ أَرَأَيْتَ لَوْ كَانَ لَكَ إِبِلٌ، فَهَبَطْتَ وَادِيًا لَهُ عَدْوَاتَانِ: إِحْدَاهُمَا خَصْبَةٌ وَالْأُخْرَىٰ جَدْبَةٌ. أَلَيْسَ إِنْ رَعَيْتَ الْخَصْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللَّهِ، وَإِنْ رَعَيْتَ الْجَدْبَةَ رَعَيْتَهَا بِقَدَرِ اللَّهِ.^۲

"ہمارا موقف ہے کہ آپ لوگوں کو لے کر واپس چلے جائیں اور ان کو اس وبا کے سامنے نہ کریں۔ چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں منادی کرادی کہ میں سواری پر واپس نکلنے والا ہوں، سو لوگ بھی آپ کے ساتھ واپس ہو لیے۔ تب ابو عبیدہ بن جراح بولے: کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگنا چاہتے ہیں؟ تو سیدنا عمر نے جواب دیا: ابو عبیدہ! کاش کہ یہ بات تمہارے علاوہ کوئی اور کہتا۔ دراصل سیدنا عمر

۱ صحیح مسلم: كِتَابُ السَّلَامِ (بَابُ الطَّاعُونَ وَالطَّيْرَةِ وَالْكَهَانَةِ وَنَحْوِهَا)، ر ق ۵۷۷۲

۲ ریاض الصالحین از نووی: باب كراهة الخروج من بلد وقع به الوباء فرارا منه وكراهة القدوم: ر ق ۱۷۹۱

ان کی مخالفت کو اچھانہ سمجھتے تھے۔ پھر بولے: ہاں! اللہ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف جاتا ہوں۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ اگر آپ کے پاس اونٹ ہوں، اور وہ ایسی وادی میں جا پہنچیں جس کے دو جانبی راستے ہوں: ایک سرسبز اور دوسرا قحط زدہ۔ اگر آپ ان کو سرسبز وادی میں لے گئے تو آپ نے اللہ کی تقدیر کے مطابق ایسے کیا اور اگر انہیں ویران وادی میں لے گئے تو یہ بھی اللہ کی تقدیر کے مطابق ہوا۔“

اسی دوران سیدنا عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ آن پہنچے جو کسی مصروفیت کی وجہ سے کہیں گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایسے حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح رہنمائی میرے پاس موجود ہے جو میں نے خود سنی ہے۔ پھر انہوں نے اوپر مذکور (سیدنا مسامد بن زید والا) فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سنا۔ اس کے باوجود تاریخ کے مطالعے سے علم ہوتا ہے کہ طاعونِ عمواس (۱۸ھ) کے اس واقعے میں شام میں مصروف جہاد ۳۵ ہزار مجاہدین میں سے صرف چھ ہزار زندہ بچے اور شہدائے طاعون کی تعداد ۲۶،۲۵ ہزار سے کم نہ تھی۔^۱

③ طاعونِ عمواس میں سیدنا ابو عبیدہ بن جراح، پھر سیدنا معاذ بن جبل عسا کر کے سپہ سالار مقرر ہوئے، اور دونوں ہی اس وبا سے شہید ہو گئے۔ دونوں کے بعد سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ امیر مقرر ہوئے، تو لوگوں کو خطاب میں یہ ہدایت کی:

" أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هَذَا الْوَجَعَ إِذَا وَقَعَ فَإِنَّمَا يَسْتَعِلُّ اشْتِعَالَ النَّارِ، فَتَجَبَّلُوا مِنْهُ فِي الْجِبَالِ ... فَبَلَغَ ذَلِكَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ مِنْ رَأْيِ عُمَرَ وَفَوَّاهُ اللَّهُ مَا كَرِهَهُ."^۲

”اے لوگو! یہ بیماری جب سے آئی ہے، یہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی جا رہی ہے۔ تم پہاڑوں پر چڑھ کر داخل ہو کر اس سے احتیاط کرو۔ جب یہ ہدایت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے اس کو ناپسند نہ کیا۔“

ان احادیث و آثار میں ایسے علاقے سے نکلنے کی ممانعت بیان ہوئی ہے جہاں بڑے پیمانے پر بیماری پھیل چکی ہو۔ ان احادیث کا تعلق احتیاط کے عملی رویے سے ہے کہ تقدیر پر انحصار کر بیٹھنے کی بجائے عملی طور پر بچاؤ کی کوشش بھی کرنا چاہیے اور عملی اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ اور وبازدہ علاقے میں موجود لوگوں کے نہ نکلنے کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ جو لوگ وبا سے متاثر ہیں وہ اس کو باہر نہ پھیلائیں اور اندر متاثرہ مریضوں کا احتیاط کے ساتھ علان کرنا بھی ممکن ہو سکے۔

④ دنیا میں اس وقت کورونا وائرس پھیلنے کی بڑی وجہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت کو نظر انداز کرنا ہے۔ جب

۱ تاریخ دمشق: ۲۵/۳۸۵، تاریخ طبری، الاستیعاب از ابن عبد البر، سنن سعید بن منصور: ص ۲۳۲

۲ مسند احمد بن حنبل: ۳/۲۲۶، رقم ۱۶۹۸

ہدایتِ نبویہ یہ ہے کہ مرض سے متاثرہ علاقے سے کوئی شخص بھی مت نکلے تو آپ نے ہر شخص کے لئے اس کو ممنوع قرار دیا اور کسی وطن سے تعلق یا نظریہ سے وابستگی کی بنا پر لوگوں کو نکلنے سے مستثنیٰ نہیں کیا۔ جبکہ دورِ حاضر میں ہر حکومت اپنے شہریوں کو متاثرہ علاقوں سے اکٹھا کر کے اپنے ممالک میں لانے کی فکر میں ہے۔ یہ وہ حکومتی ذمہ داری ہے جسے نیشنل ازم (وطنیت) پر مبنی جدید ریاستی نظام نے اختیار کر رکھا ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر چین یا یورپ میں پھیلنے والا مرض پوری دنیا میں پھیل گیا۔ ہوئی سفر کی آسانی کی وجہ سے تاریخ میں پہلی بار کوئی وبا اتنے بڑے پیمانے پر پھیلی ہے۔ پاکستان میں بھی سو الاکھ پاکستانیوں کو دنیا بھر سے بین الاقوامی پروازوں کے ذریعے واپس بلایا گیا ہے۔ شرعی تعلیمات کو نظر انداز کرنے والا یہی مادی رویہ اور مغربی نظریہ دنیا بھر میں اس وبائی مرض کو سب سے زیادہ پھیلانے کی حقیقی وجہ ہے...!!

چونکہ متاثرہ علاقوں سے زیادہ نقل و حرکت کی بنا پر وبائی امراض میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے، اس لئے دنیا بھر میں کورونا کے مرض نے سب سے زیادہ یورپ میں تباہی پھیلانی ہے، اور یورپ دنیا کے انہی ممالک پر مشتمل ہے جہاں دنیا بھر کے مسافروں کی سب سے زیادہ آمد و رفت ہوتی ہے۔ یورپی ممالک مثلاً لندن، پیرس اور اٹلی وغیرہ بین الاقوامی مسافروں کے مرکزی پلیٹ فارم Hub کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی صورت حال امریکی شہر نیویارک کی بھی ہے جہاں پورے امریکہ میں سب سے زیادہ وائرس پھیلا۔ جبکہ برصغیر کے ممالک میں جہاں سیاحوں اور غیر ملکی شہریوں کی آمد و رفت کم ہے، وہاں یہ مرض بھی اتنا ہلاکت خیز ثابت نہیں ہوا۔

﴿اس فرمانِ نبوی کے تناظر میں سعودی حکومت کا حرمین شریفین کو عالمی زائرین کے لئے محدود مدت تک بند کرنے کا انتظامی فیصلہ معقولیت رکھتا ہے، اور جب اُن کے لئے پابندی عائد ہوگی تو پھر مختلف شہروں کے مستمرین کے لئے بھی آمد و رفت کو محدود کرنے میں کوئی مشکل نہ رہے تاکہ عالمی سطح پر وطنی امتیاز کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔ اسی بنا پر سعودی حکومت نے اس سال حج میں بھی غیر ملکی حاجیوں کو روک کر، ملک میں موجود مختلف ممالک کے شہریوں کو حج کرنے کی ہی اجازت دی۔﴾

سوم: مریض سے فاصلہ Distance کی تلقین

نبی مکرم ﷺ نے وبائی علاقے کی بندش کے ساتھ ساتھ کسی علاقے میں وبا سے متاثرہ شخص سے بھی دور

حج و عمرہ کے حوالے سے سعودی حکومت کا دنیا بھر کے متاثرہ شہروں سے زائرین کی آمد و رفت کو حدیثِ نبویہ کی بنا پر مطلقاً روک دینا اور رمضان المبارک و دیگر اوقات میں حرمین شریفین اور اہم مساجد میں عبادت کو محدود کرتے ہوئے کلی موٹو نہ کرنا احتیاط کا تقاضا ہے۔ جبکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کچھ سعودی مساجد کو کلی طور پر بند بھی کر دیا گیا تھا، اگر اس میں کوئی حقیقت ہو تو یہ موقف بہر حال محلِ نظر ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

رہنے کی تلقین فرمائی ہے، جیسا کہ آغاز میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث میں کوڑھی (مجذوم) شخص سے اس طرح دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ انسان شیر سے صرف احتیاط ہی نہیں کرتا بلکہ بہت دور بھاگتا اور اپنا پورا اہیاج ادا کرتا ہے۔ اور بعض احادیث میں جو کوڑھی کے ساتھ کھانے پینے کا تذکرہ ملتا ہے، ان کی سند قابل اعتماد نہیں۔ گویا کسی مرض کے خود متعدی ہونے کا عقیدہ رکھنا تو حرام ہے لیکن عملی رویے میں اس سے مکمل احتیاط کرنا ضروری ہے۔ اور یہ گزر چکا ہے کہ عقیدہ و عمل میں اصل اعتبار اور انحصار عقیدہ پر ہوتا ہے۔

④ اسی طرح جذام کے مریض کو چاہیے کہ وہ بھی تندرست لوگوں سے الگ تھلگ رہے تاکہ دوسروں کو اس سے تکلیف نہ ہو، چنانچہ قبیلہ ثقیف کے وفد میں ایک مجذوم (کوڑھی) شخص بھی تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کی بیعت کرنا چاہتا تھا۔ تو آپ نے اسے پیغام بھیجا: «إِنَّا قَدْ بَايَعْنَاكَ، فَارْجِعْ»۔^۲

”ہم نے (بالواسطہ) تمہاری بیعت لے لی ہے، اس لیے تم (اپنے گھر) لوٹ جاؤ۔“
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑھی سے شیر کی طرح دور بھاگنے کا حکم دے کر، صحابہ کرام نے اس پر عمل کرتے ہوئے طاعون زدہ علاقے سے دور رہ کر، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کے معروف طریقے کو چھوڑ کر، جب دوسروں کی بیعت پر اکتفا کیا، تو معلوم ہوا کہ احتیاط پر مبنی عملی رویہ ہی وہ نبوی توکل ہے جس کی ہمیں اتباع کرنی چاہیے۔ ایسا نہیں کہ خود ساختہ توکل کے نام پر ہم امراض کے متعدی نہ ہونے کے عقیدہ کو سامنے رکھتے ہوئے، ثابت شدہ مریض سے فاصلہ اور احتیاط کو ترک کر دیں۔

⑤ نیز متعدی مریض کو اپنے گھر (اور اپنے علاقے) میں بیٹھ جانے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی تلقین فرمائی، اور شہادت کے اجر کا وعدہ دیا۔ سیدہ عائشہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:
 «أَنَّهُ كَانَ عَذَابًا يَبْعَثُهُ اللَّهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ، فَجَعَلَهُ رَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ، فَلَيْسَ مِنْ رَجُلٍ يَفْعُ الطَّاعُونَ، فَيَمْكُتُ فِي بَيْتِهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يُصِيبُهُ إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَهُ إِلَّا كَانَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ الشَّهِيدِ»۔^۳

”یہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے، جو اللہ جن پر چاہے بھیجتا ہے اور مؤمنوں کے لئے باعثِ رحمت بھی ہوتا ہے۔ (اور وہ یوں کہ) جو شخص بھی طاعون پھیلنے کے بعد اپنے گھر میں ثواب کی نیت سے صبر کر کے بیٹھا رہے، یہ جانتے ہوئے کہ اسے وہی کچھ ہو گا جو اللہ نے اس کے لیے لکھ دیا ہے، تو اس کے لیے

۱ یہ حدیث ضعیف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جذامی آدمی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا اور فرمایا: ”اللہ کا نام لے کر، اس پر اعتماد اور توکل کرتے ہوئے کھاؤ۔“ (جامع الترمذی، الأطمعة، حدیث: ۱۸۱۷، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۵)

۲ صحیح مسلم: کِتَابُ السَّلَام (بَابُ اجْتِنَابِ الْمُجْذُومِ وَنَحْوِهِ)، رقم ۲۲۳۱

۳ مسند احمد بن حنبل: ۲۳۳۵۸، ۲۴۵۲۱۲، ۲۶۱۳۹، ص ۲۶۱۳۹... آخری روایت میں بَيْتِهِ کے الفاظ ہیں۔

شہید جیسا اجر ہے۔“

اور صحیح بخاری کی تین احادیث میں فی بَيْتِهِ كِي بَجَائِ فَيَمُكُّثُ فِي بَلَدِهِ صَابِرًا كِي الْفَظَا بِي هِي۔

① وبأني امراض میں وفات پانے والا شہید ہے۔ جیسا کہ یہ فرمانِ نبوی سیدنا ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے:

«مَا تَعُدُّونَ الشَّهِيدَ فِيكُمْ؟» قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ،

قَالَ: «إِنَّ شُهَدَاءَ أُمَّتِي إِذَا لَقِيتُ»، قَالُوا: فَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: «مَنْ قُتِلَ فِي

سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُونَ

فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيدٌ»^۲۔

”تم آپس میں شہید کس کو شمار کرتے ہو؟ صحابہ نے عرض کی: اللہ کے رسول! جو شخص اللہ کی راہ میں

قتل کیا جائے وہ شہید ہے۔ آپ نے فرمایا: ”پھر تو میری امت کے شہدا بہت کم ہوئے۔“ صحابہ نے

عرض کی: یا رسول اللہ! پھر وہ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ شہید ہے

اور جو شخص اللہ کی راہ میں (طلب علم، سفر حج، جہاد کے دوران میں اپنی موت) مر جائے وہ شہید ہے، جو شخص

طاعون میں مرے وہ شہید ہے، جو شخص بیٹ کی بیماری میں (بتلا ہو کر) مر جائے وہ شہید ہے۔“

② اور سیدنا عتبہ بن عبد سلمیؓ نے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان روایت کرتے ہیں:

«يَأْتِي الشُّهَدَاءَ وَالْمُتَوَفَّوْنَ بِالطَّاعُونَ، فَيَقُولُ أَصْحَابُ الطَّاعُونَ: نَحْنُ شُهَدَاءُ،

فَيَقَالُ: انظُرُوا، فَإِنْ كَانَتْ جِرَاحُهُمْ كَجِرَاحِ الشُّهَدَاءِ تَسِيلُ دَمًا رِيحَ الْمِسْكِ، فَهُمْ

شُهَدَاءُ فَيَجِدُوا نَبِيَّهُمْ كَذَلِكَ»^۳۔

”شہدا اور طاعون سے وفات پانے والے (روزِ قیامت) آئیں گے۔ تو طاعون سے مرنے والے کہیں گے

کہ ہم بھی شہید ہیں۔ کہا جائے گا کہ ان کو توجہ سے دیکھو، اگر ان کے زخموں سے شہیدوں کے زخموں

کی طرح مسک کی خوشبو والا خون بہہ رہا ہو تو یہ بھی شہدا ہوئے۔ چنانچہ وہ ایسا ہی خون پائیں گے۔“

معلوم ہوا کہ طاعون جیسے وبائی امراض کو رونا وغیرہ سے وفات پانے والوں کو بھی قیاساً شہید (حکمی) کہا جاسکتا

ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی مذکورہ حدیث کی شرح میں مولانا عبد الستار الحمدانیؒ لکھتے ہیں:

”اس امت پر اللہ کی بہت مہربانی ہے کیونکہ جو بیماری دوسری امتوں کے لیے بطور عذاب مسلط کی گئی

۱ صحیح البخاری: كِتَابُ أَحَادِيثِ الْأَنْبِيَاءِ (بَابُ): ر قم ۷۳۳، ۳۳۳، ۱۵۷۳ اور ۶۱۹

۲ صحیح مسلم: كِتَابُ الْإِمَارَةِ (بَابُ بَيَانِ الشُّهَدَاءِ)، ر قم ۳۹۳۱

۳ مسند أحمد بن حنبل: ۱۹۸/۲۹، ر قم ۱۷۶۵۱، حسن

تھی وہ اس امت کے لیے باعثِ رحمت بنا دی گئی ہے۔ اس حدیث کے مطابق طاعون سے مرنا شہادتِ صغریٰ ہے۔“

⑧ نبی کریم ﷺ کی یہ ہدایت متعدی امراض Viral Diseases کے علاوہ عام مریضوں حتیٰ کہ بیمار جانوروں کے بارے میں بھی ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

«لَا يُورَدَنَّ مُمْرَضٌ عَلَى مُصِحٍّ»^۱۔
 ”کوئی شخص بیمار اونٹ کو صحت مند اونٹوں کے پاس نہ لے جائے۔“

شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو متعدی مریض ہونے کے باوجود صحت مند لوگوں کے درمیان رہنے پر مصر ہے۔ لوگ اس سے دور رہنا چاہتے ہیں تو وہ کیا سے نکال سکتے ہیں؟

نَعَمْ هُمْ أَنْ يَمْنَعُوهُ مِنَ السَّكَنِ بَيْنَ الْأَصْحَاءِ فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «لَا يُورَدُ مُمْرَضٌ عَلَى مُصِحٍّ». فَهِيَ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمَرَضِ أَنْ يُورِدَهَا عَلَى صَاحِبِ الْإِبِلِ الصَّحَاحِ مَعَ قَوْلِهِ: «لَا عَدْوَى وَلَا طَيْرَةَ». وَكَذَلِكَ رُوي أَنَّهُ لَمَّا قَدِمَ مَجْدُومٌ لِيَبَايَعَهُ أَرْسَلَ إِلَيْهِ بِالْبَيْعَةِ وَلَمْ يَأْذَنْ لَهُ فِي دُخُولِ الْمَدِينَةِ.^۲

”آپ نے جواب دیا: ہاں لوگوں کو اسے صحت مندوں سے نکالنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ بیمار شخص کو صحت مندوں کے پاس نہ لے جایا جائے۔ پھر آپ ﷺ نے بیمار اونٹوں کے مالک کو صحیح اونٹوں کے پاس لے جانے سے روک دیا، اپنے اس فرمان کے باوجود کہ بیماری متعدی نہیں ہوتی اور بدشگونئی نہیں ہے۔ اور آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ جب ایک کوزھی مدینہ میں بیعت کے لئے آنا چاہتا تھا تو نبی کریم ﷺ نے بیعت ہونے کا پیغام اسے بھیج دیا اور اسے مدینہ میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی۔“

⑨ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا، أَوْ لِيَعْتَزِلْ مَسْجِدَنَا، وَلْيَعُدْ فِي بَيْتِهِ».^۳
 ”جو لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے علیحدہ رہے۔ یا فرمایا: وہ ہماری مسجد سے الگ تھلگ رہے۔ اور اپنے گھر

۱ صحیح البخاری: كِتَابُ الطَّبِّ (بَابُ لَا هَامَةَ)، رَقْمُ ۵۷۷۱

۲ مجموع فتاویٰ: ۲۳/۲۸۵، مجمع ملک نجد، مدینہ منورہ ۱۴۱۶ھ

۳ صحیح البخاری: كِتَابُ الْإِعْتِصَامِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ (بَابُ الْأَحْكَامِ الَّتِي تُعْرَفُ بِالِدَّلَائِلِ، وَكَيْفَ مَعْنَى الدَّلَالَةِ وَتَفْسِيرُهَا)، رَقْمُ ۷۳۵۹

میں بیٹھا ہے۔“

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لہسن اور پیاز کھانا تو جائز ہے لیکن مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا جائز نہیں۔ اس حدیث سے یہ مفہوم لینا تو درست نہیں کہ تھوم پیاز اور دوسری بودار چیزوں کی بنا پر انسان کو باجماعت نماز سے رخصت مل جاتی ہے، کیونکہ کسی محدث و فقیہ نے باجماعت نماز کے اعدار میں اس کو بیان نہیں کیا، البتہ اس سے یہ ضرور مراد ہے کہ مسلمان کو نماز کے اوقات میں ایسی چیزوں کو کھانے سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ جب کوئی مسلمان باجماعت نماز کے اوقات سے قبل عمد آچا لہسن اور پیاز کھائے گا تو اس کو نماز باجماعت تو پڑھنا ہوگی، تاہم دوسروں کو اذیت دینے کی بنا پر وہ گناہ گار ہوگا۔ اور عمد آس فعل کے ارتکاب پر اسے مسجد میں آنے سے روکا بھی جاسکتا ہے۔ قاضی ابن عابدین شامی لکھتے ہیں:

لِلْحَدِيثِ الصَّحِيحِ فِي النَّهْيِ عَنِ قُرْبَانِ أَكْلِ الثُّومِ وَالْبَصَلِ الْمُسْجِدَ... وَكَذَلِكَ
الْحَقُّ بَعْضُهُمْ بِذَلِكَ مَنْ بَفِيهِ بَخْرٌ أَوْ بِهِ جُرْحٌ لَهُ رَائِحَةٌ، وَكَذَلِكَ الْقَصَابُ،
وَالسَّمَكَ، وَالْمُجْدُومُ وَالْأَبْرَصُ أَوْلَى بِالْإِلْحَاقِ. وَقَالَ سَخْنُونَ لَا أَرَى الْجُمُعَةَ
عَلَيْهَا. وَاسْتَحْتَجَّ بِالْحَدِيثِ وَالْحَقِّ بِالْحَدِيثِ كُلُّ مَنْ آذَى النَّاسَ بِلِسَانِهِ.

”صحیح حدیث کی بنا پر لہسن، پیاز کھانے والے کو مسجد کے قریب آنے سے روکا گیا ہے۔ بعض علما نے ان کے ساتھ ایسے لوگوں کو بھی شامل کیا ہے جس کے منہ سے کوئی بو آتی ہو، یا بودار زخم ہو۔ جیسے قصاب اور مچھلی فروش وغیرہ، اور کوڑھی اور برص کے مریض کو بھی ان سے ملانا زیادہ مناسب ہے۔ اور امام سخنون مالکی (۸۵۴ھ) کہتے ہیں کہ میں ان پر جمعہ پڑھنا لازمی نہیں سمجھتا۔ اس پر انہوں نے حدیث سے استدلال کیا ہے اور حدیث میں ہر اس شخص کو شامل کیا ہے جو اپنی زبان سے دوسروں کو نقصان پہنچاتا ہے۔“

جب معمولی تکلیف دہ چیز سے دوسرے مسلمانوں کو نقصان پہنچانا حرام ہے، جیسا کہ اس پر دیگر احادیث بھی ہیں تو پھر متعدی امراض سے تو دوسرے مسلمانوں کو بچانا بالاولیٰ ضروری ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کی علامات ظاہر ہونے کے باوجود اگر کوئی متاثرہ شخص، صحت مند لوگوں میں گھستا ہے تو وہ ہدایتِ نبوی سے انحراف کر کے گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسے نیکی کا کوئی ایسا راستہ تلاش کرنا چاہیے جو شریعت کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ جیسا کہ امام منصور بن یونس بہوتی حنبلی (۱۰۵۱ھ) لکھتے ہیں:

”ولا يجوز للجذماء، مخالطة الأصحاء عموماً، ولا مخالطة أحد معين صحيح إلا“

بإذنه، وعلى ولاة الأمور منعهم من مخالطة الأصحاء، بأن يسكنوا في مكان مفرد لهم ونحو ذلك، وإذا امتنع ولي الأمر من ذلك أو المجذوم: أثم، وإذا أصر على ترك الواجب مع علمه به: فسق). قاله [أي شيخ الإسلام] في الاختيارات. وقال: كما جاءت به سنة رسول الله ﷺ وخلفائه، وكما ذكر العلماء^۱۔

”کوڑھ کے مریضوں کے لئے صحت مند لوگوں سے ملنا جلنا عمومی طور پر جائز نہیں۔ اور کسی خاص فرد سے اس کی اجازت کے بغیر ملنا جلنا بھی جائز نہیں۔ حکمرانوں کو چاہیے کہ ایسے مریضوں کو تندرست افراد کے ساتھ گھلنے ملنے سے منع کریں۔ اور ان کے لئے علیحدہ جگہ کا انتظام کریں۔ اگر حکمران ایسا نہ کرے یا خود مریض علیحدہ رہنے کی پابندی نہ کرے، تو وہ گناہ گار ہو گا۔ اور جاننے کے بعد اس واجب کو چھوڑنے پر اصرار کرے تو فسق کا مرتکب ہو گا۔ یہی بات شیخ الاسلام نے اختیارات میں کہہ کر لکھا ہے کہ یہی رسول اللہ ﷺ، اور آپ کے خلفاء کا طریقہ ہے، جیسا کہ علمائے واضح لکھے ہیں۔“

مفتی کفایت اللہ دہلوی حنفی لکھتے ہیں:

”... ان صورتوں میں خود مجذوم پر لازم ہے کہ وہ مسجد میں نہ جائے اور جماعت میں شریک نہ ہو، اور اگر وہ نہ مانے تو لوگوں کو حق ہے کہ وہ اسے دخول مسجد اور شرکت جماعت سے روک دیں اور اس میں مسجد محلہ اور مسجد غیر محلہ کا فرق نہیں ہے، محلہ کی مسجد سے بھی روکا جاسکتا ہے تو غیر محلہ کی مسجد سے بالاولیٰ روکنا جائز ہے اور یہ روکنا بیماری کے متعدی ہونے کے اعتقاد پر مبنی نہیں ہے، بلکہ تعدیہ کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے، بلکہ نمازیوں کی ایذا یا خوفِ تلویثِ مسجد یا نجیس و بقاءِ نفرت و فروش پر مبنی ہے۔“^۲

⑩ ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے کی ممانعت: نبی کریم ﷺ نے اسلام کو سراسر سلامتی قرار دیا، اور مشہور

فرمانِ نبوی، سیدنا عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے:

«الْمُسْلِمُ مِنَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ»^۳۔

”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔“

کویت کے فقہی انسائیکلو پیڈیا میں تمام فقہی مسالک کا موقف لکھا ہے:

۱ کشف القناع عن متن الاقناع از امام ہوتی: ۱۲۶/۶۰

۲ کفایت المفتی: ۱۳۱/۳۳، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی

۳ صحیح البخاری: کتاب الإیمان (باب: الْمُسْلِمُ مِنَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ)، رقم ۱۰

”ذهب المالکیة والشافعیة والحنابلة: إلى منع مجذوم یتأذى به، من مخالطة الأصحاء، والاجتماع بالناس، لحديث: «فر من المجذوم فرارك من الأسد». وقال الحنابلة: لا یجل لمجذوم مخالطة صحیح إلا بإذنه. فإذا أذن الصحیح لمجذوم بمخالطته: جاز له ذلك. لحديث «لا عدوی ولا طیرة»^۱.

”مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے مطابق کوڑھی کو ہر ایسے کام سے روکا جائے جس کے ذریعے اس کا مرض دوسروں میں پھیل جائے، مثلاً صحت مند لوگوں سے دور رہنا، لوگوں کے ساتھ اکٹھے نہ ہونا، اس فرمانِ نبوی کی بنا پر: «فر من المجذوم فرارك من الأسد» جبکہ حنابلہ کا موقف ہے کہ اگر تندرست آدمی اجازت دے دے تو پھر کوڑھی کا اس سے میل جول جائز ہے، ورنہ جائز نہیں۔ اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے: «لا عدوی ولا طیرة»۔“

① ایسا ہی آپ ﷺ کا ایک اور فرمان بھی ہے، جیسے سیدنا عبادة بن صامت نے روایت کیا ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَضَى أَنْ «لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ»^۲.

”رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ دیا: نہ (پہلے پہل) کسی کو نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا جائز ہے، نہ بدلے کے طور پر نقصان پہنچانا اور تکلیف دینا۔“

ضرار کو اگر بابِ مفاعلہ سے لیں تو یہ مطلب ہوا کہ کسی فرد کو نقصان پہنچانا حرام ہے اور اجتماعی طور پر دوسروں کو نقصان پہنچانا بھی جائز نہیں۔

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ

”جذامی سے جمعہ وجماعت ساقط اور معاف ہے اس وجہ سے کہ وہ مسجد میں نہ آئے پس جذامی کو چاہیے کہ وہ جماعت میں شریک نہ ہونا چاہیے اور جو لوگ جذامی شخص سے علیحدہ رہیں اور احترام کریں اس پر کوئی ملامت نہیں ہے کہ جذامی سے بھاگنے اور بچنے کا حکم رسول ﷺ نے فرمایا ہے۔“^۳

قابل توجہ امور اور محلِ اختلاف

کورونا کے امراض کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کی تعلیمات بالکل واضح ہیں، اس کے باوجود پاکستان کی مساجد میں عالم اسلام کے برخلاف علمائے کرام نے باجماعت نماز و تراویح اور جمعہ کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور بعض

۱ الموسوعة الفقهية الكويتية: ۱۵/۱۳۱

۲ سنن ابن ماجہ: كِتَابُ الْأَحْكَامِ (بَابُ مَنْ بَنَى فِي حَقِّهِ مَا يَضُرُّ بِيَارِهِ)، رقم ۲۳۴۰، صحیح

۳ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۳/۷۰

لوگوں کو اس بارے میں غلط فہمی لاحق ہوئی، حالانکہ اجتماعی عبادات کے بارے میں پاکستان کے علمائے کرام کا یہ موقف اور اصرار اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے۔

اوپر جتنی بھی احادیثِ نبویہ ذکر کی گئی ہیں، ان میں نبی کریم ﷺ نے یہ احتیاط ایسے شخص سے کی ہے یا ایسے شخص کو اس کا پابند کیا ہے، جو واقعاً مریض ہو، یا اس میں مرض کی علامات ظاہر ہو چکی ہوں۔ چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں تو اسلامی تعلیمات بالکل واضح ہیں، لیکن پاکستانی حکومت اور دیگر مسلم حکومتوں کا یہ مطالبہ، مریضوں سے بڑھ کر تمام انسانوں کے بارے میں ہے کہ ہر انسان سے بھی یہی احتیاط برتی جائے۔ اور اس کو 'سماجی فاصلہ' Social Distance کا نام دیا گیا۔ حالانکہ کسی حدیث میں بھی تمام مسلمانوں کے بارے میں اس احتیاط کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ اس لئے ایسی احتیاط کرنا دراصل سنگین حالات و ظروف اور بیماری کے بہت زیادہ پھیل جانے کے وقت ہے جس کو حقیقی صورت حال کا کامل ادراک کرتے اور دیگر شرعی احکام و مصالح کے پیش نظر رکھتے ہوئے نافذ کیا جائے گا۔ جیسا کہ علمائے کرام کا درج ذیل فتویٰ ہے:

سؤال: هل يُعدُّ وجود مثل هذا المرض المذكور عذرًا للتخلف عن صلاة الجمعة في حق من تجب عليه؟

وجواب ذلك يختلف بحسب الواقع والضرر المتوقع ونسبة وقوعه. وبصفة عامة فإن الحكم للغالب. والنادر لا حكم له.¹

”کیا کورونا جیسے امراض کی بنا پر ان لوگوں کو نماز جمعہ چھوڑنے کی اجازت ہے، جن کے لئے نماز جمعہ واجب ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا جواز واقعات، نقصان کی کیفیت اور امکانی نسبت کے لحاظ سے مختلف ہے۔ عام جواب یہ ہے کہ اکثریت کا اعتبار کیا جائے، اور شاذ و نادر کا کوئی لحاظ نہیں۔“
دارالعلوم دیوبند کے اُستاد مفتی امانت علی قاسمی لکھتے ہیں:

”میں غور و فکر کے بعد اس سلسلے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کوئی ایک حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ بلکہ جو علاقے اس سے زیادہ متاثر ہیں وہاں کے احکام ذرا مختلف ہوں گے اور جہاں صرف احتیاط کے تحت اس طرح کی بات کی جا رہی ہے وہاں کے احکام اس سے قدرے مختلف ہوں گے۔ جن علاقوں میں وائرس سے متاثر لوگ پائے جاتے ہیں، وہاں پر احتیاط کی شدید ضرورت ہوگی اور اس احتیاط کے تحت اگر مسجد میں نماز پڑھنے کے بجائے گھروں میں نماز پڑھنے کی بات کہی جائے تو اسے قبول کرنا

1 <https://www.islamweb.net/ar/fatwa/414400>

چاہیے۔“^۱

یہی موقف قاضی محمد امین ابن عابدین شامی بھی پیش کر چکے ہیں:

”شرعی احکام میں وہ خوف معتبر ہوتا ہے جو ظن غالب کا فائدہ دے، مثلاً کسی مرگی کے مریض کو تجربہ سے یہ بات معلوم ہو کہ روزہ رکھنے سے اسے مرگی کے دورے پڑتے ہیں تو اب اس کے لیے مرگی کے دورے پڑنے کے خوف سے روزہ نہ رکھنے کی رخصت ہوگی۔ عام طور پر ایسا خوف کسی علامت سے، تجربے سے، یا ماہر مسلمان دین دار طبیب کے قول سے معلوم ہوتا ہے۔ باقی جو خوف کسی علامت، تجربہ یا ماہر دین دار طبیب کے قول کے بغیر ہی دل میں پیدا ہو یا کسی غیر مسلم کے کہنے سے پیدا ہو جس کی تصدیق مسلمان دین دار ڈاکٹر نہ کریں تو اس اندیشے کا شرعاً اعتبار نہیں ہے، اَمَّا الْكَافِرُ فَلَا يُعْتَمَدُ عَلَى قَوْلِهِ لِاحْتِمَالِ أَنْ عَرَضَهُ اِفْسَادُ الْعِبَادَةِ^۲ بلکہ وہ خوف تو ہم پرستی اور بد شگونئی کے اعتقاد میں مبتلا کر دیتا ہے جس کی شریعت میں سخت ممانعت ہے۔“^۳

جہاں تک کسی متاثرہ علاقے سے نقل و حرکت کی ممانعت کی بات ہے، تو اس میں شریعت نے سب انسانوں کے متاثر ہونے کی بجائے، اکثریتی عوام میں مرض پھیل جانے پر انحصار کیا ہے، جیسا کہ دوہان، میلانو اور نیویارک وغیرہ جیسے شہر جہاں یہ مرض بڑے پیمانے پر پھیلا۔ اور جہاں تک ایک علاقے میں بسنے والے افراد کی بات ہے، تو اس میں کوڑھی کے مرض اور بدبو کے امکانی نقصان کے پیش نظر نبی کریم ﷺ نے صرف متاثرہ افراد کو منع فرمایا۔ اس میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کو امکانی مریض تک وسیع کیا جاسکتا ہے جیسا کہ معمولی علامتوں جیسے کھانسی، بخار اور متاثرہ علاقوں سے سفر کر کے آنے والوں تک احتیاط کو پھیلا یا جاسکتا ہے۔

مریض کی عیادت اور علاج کے شرعی حقوق

واضح رہے کہ ہر انسان سے سماجی فاصلہ رکھنے کے وسیع تر حکومتی احکامات سے، عام مسلمانوں سے میل جول اور ان کے حقوق کے بہت سے واضح شرعی احکام بھی متاثر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مسلمانوں میں مصافحہ اور معاقتہ، عزیز و اقربا سے ملاقات، باجماعت نماز، نماز تراویح^۴، نماز جنازہ، اور مریض شخص کی عیادت و تیمار

۱ کورونادائرس، اسلامی ہدایات اور جدید مسائل از مفتی امانت علی قاسمی: ص ۲۰

۲ الدر المختار وحاشیة ابن عابدین (رد المحتار): ۲/۲۲۲

۳ کورونافر فتویٰ جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی، ص ۱۲

۴ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نماز تراویح ایک نقلی نماز ہے جس کو صحابہ کرام نے رواج دیا اور اس کو چھوڑا یا گھروں میں ہی ادا کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ رمضان المبارک میں روزوں کے بعد قیام اللیل دوسرا خصوصی اسلامی شعار ہے۔ نبی کریم

داری اور علاج وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ مریض شخص کا تو اسی طرح پوری احتیاط کے ساتھ، تیمارداری اور علاج کرنا چاہیے جیسا کہ ڈاکٹر حضرات ہسپتالوں میں کورونا سے متاثرہ اشخاص کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ جہاں تک اسلامی حقوق اور میل جول کے باقی شرعی احکام کا تعلق ہے تو ان کو صرف کسی موہوم امکان کی بنا پر ختم کر دینے کی بجائے، مضبوط شرعی بنیاد ہونی چاہیے۔ سیدنا ابو ہریرہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ مَخْمَسٌ: رَدُّ السَّلَامِ وَعِيَادَةُ الْمَرِيضِ وَاتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَإِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَتَشْمِيتُ الْعَاطِسِ»^۱

”مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں: سلام کا جواب دینا، مریض کی عیادت کرنا، جنازے میں شریک ہونا، دعوت کا قبول کرنا اور چھینکنے والے کو دعا دینا۔“

مریض کی عیادت کے بے پناہ اجر کے علاوہ اس کا علاج کرنے اور اس کو دم کرنے کے بھی شرعی احکام ہیں، جس کی تفصیل حاشیہ میں درج کتابچہ^۲ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مسلم حکومت کے پاس یہ اصولی اختیار تو موجود ہے کہ وہ علمائے حقہ کی مشاورت کے ساتھ، ماہرین کی آرا کو پیش نظر رکھتے ہوئے، مسلمانوں کے مفاد اور تحفظ کے لئے انسدادی تدبیری احکام جاری کرے۔ اور تدبیری احکام کے لئے، شرعی احکام کے برعکس اس امر کی بھی کوئی ضرورت نہیں کہ اس کی مثال احکام شرعیہ یا خیر القرون کے دور سے لازماً پیش کی جائے۔ بلکہ اس حکومتی تدبیر و انسداد کے لئے شریعت کے مخالف نہ ہونے اور مقاصد شرع سے ہم آہنگ ہونا ہی کافی ہے، جیسا کہ فی زمانہ تبلیغی جلسوں، دینی مضامین و مجلات، اسلامی کتب و شروح اور باقاعدہ دینی مدارس کی مثال خیر القرون میں نہیں ملتی۔ تاہم جب پاکستانی حکمران...

- علمائے کرام سے حقیقی اور اعتماد پر مبنی مشاورت نہیں کرتے، ان کی بات پر کان نہیں دھرتے۔
- مہلک مرض کے باوجود اس کے خاتمے کے روحانی اسباب یعنی اپنے شخصی و قومی اعمال پر نظر ثانی، مساجد و عبادات، صدقات اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کی طرف توجہ کرنے کی بجائے صرف مادی وجوہات پر ہی اصرار جاری رکھتے ہیں۔

ﷺ نے خود متعدد بار صحابہ کرام کو باجماعت نماز تراویح پڑھائیں، جیسا کہ صحیحین میں آتا ہے اور اس کے فرض ہو جانے کے خوف سے آپ نے اس کو ترک بھی کیا۔ جب نبی کریم ﷺ کے بعد یہ امکانِ فرضیت جاتا رہا تو صحابہ کرام نے اس نبوی طریقے کو باضابطہ طور پر جاری کر دیا۔ چنانچہ مساجد سے قیام اللیل کے اسلامی شعار کا خاتمہ کر دینا، خیر القرون سے جاری چودہ صدیوں کی مسلمہ اسلامی روایت کو ختم کرنا ہے جو رمضان المبارک کا اسلامی شعار ہے۔

۱ صحیح البخاری: کتاب الجنائز (باب الأمر باتباع الجنائز)، رقم ۱۲۳۰

۲ مریضوں کے حقوق و فرائض، از ڈاکٹر عبید الرحمن محسن، ص: ۲۸ تا ۱۱، دار الحدیث کمالیہ، راجو وال

- بیماری کی واقعاتی صورت حال کے تجزیے میں ڈاکٹرز کے ساتھ علمائے کرام کو بھی شریک نہیں کرتے، تاکہ انہیں حقیقی صورت حال بتانے کے ساتھ، ان سے شرعی رہنمائی بھی حاصل کی جائے۔
- مرض کے حقائق میں خود ریسرچ کرنے کی بجائے، مغربی اقوام کی تحقیقات پر اندھا دھند یقین کرتے ہیں جن کے ہاں اسلامی عقائد و عبادات یا مسلم بھائی چارے کے حقوق کی کوئی پروا نہیں۔
- اپنے عوام کے خالص مفادات کی بجائے، عالمی اداروں کے دباؤ اور ان سے سیاسی و مادی مفادات کے حصول پر توجہ مرکوز رکھتے ہیں۔

- علاج معالجہ کو معیاری بنانے کی بجائے، صرف اعداد و شمار اور ابلاغی مہم میں عوام کو مصروف رکھتے ہیں۔
- مساجد و مدارس اور دینی احکام و شعائر پر پابندیوں اور دھمکیوں کے ساتھ امتیازی رویہ روا رکھتے اور اسی وقت میڈیا سنٹرز، کاروبار، منڈیوں اور دنیوی مفادات پر کوئی بندش عائد نہیں کرتے۔
- مختلف شہروں میں مرض کی صورت حال میں فرق کو ملحوظ نہیں رکھتے اور سب کو ایک ہی لائحہ عمل سے ہانکتے ہیں۔ جیسا کہ اب کورونا مرض کے چند ماہ گزرنے کے بعد پاکستان اور یورپ میں مرض کے حالات اور اسباب میں واضح فرق کا پوری دنیا اعتراف کر رہی ہے۔

تو ایسے حالات میں تضاد پر مبنی حکومتی رویہ اور اقدامات شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں، جیسا کہ پاکستان کی اعلیٰ ترین عدالتی شخصیت، سپریم کورٹ کے چیف جسٹس گلزار احمد بھی اپنے ایوان میں اس کا کئی بار اظہار کر چکے ہیں۔ ان حالات میں سماجی رہنمائی کے شرعی مرکز کی اہمیت اور ضرورت دوچند ہو جاتی ہے جہاں سے دینی ہدایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے، مسلم عوام کی مصلحت پر مبنی جامع رہنمائی، ہدایات اور اقدامات کئے جائیں۔ اور ایسا نہ ہو پانے کی صورت میں معاشرتی انتشار بڑھتا جاتا ہے۔

چہارم: مساجد میں میل جول کی ممانعت اور صفوں کے درمیان فاصلہ

مذکورہ بالا احادیث میں متاثرہ علاقوں میں آمد و رفت کے ساتھ ساتھ مریض شخص سے میل جول کی ممانعت کی گئی ہے، اور متعدی مریضوں حتیٰ کہ جانوروں سے بھی فاصلے کی تلقین کی گئی ہے۔ احتیاطی تدابیر کی مشروعیت کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کونسی تدابیر ہیں جن کی شرعی احکام میں گنجائش ہو، جیسا کہ مساجد میں اجتماعی عبادات کے بہت سے مسائل ہیں، جن میں چند احتیاطی امکانات درج ذیل ہیں:

① شرعی ضرورت کے وقت اور غیر معمولی حالات میں نمازیں جمع کرنے کی شرع میں رخصت موجود ہے، جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ

جَمَعَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِالْمَدِينَةِ فِي غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ. فِي حَدِيثٍ وَكَيْعٍ. قَالَ: قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ لِمَ فَعَلَ ذَلِكَ؟ قَالَ: كَيْ لَا

يُخْرِجُ أُمَّتَهُ ۱

”رسول اللہ ﷺ نے ظہر، عصر اور مغرب، عشا کو مدینہ میں کسی خوف اور بارش کے بغیر جمع کیا۔ و کعب کی روایت میں ہے (کہ سعید نے) کہا: میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا: آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں نے کہا: تاکہ اپنی امت کو دشواری میں مبتلا نہ کریں۔“

سیدنا ابان بن عثمانؓ نے بارش والی ایک رات میں مغرب اور عشاء کو جمع کر کے پڑھا، اور کبار تابعی علماء کی ایک جماعت ان کے ساتھ تھی، تو کسی نے بھی ان کی مخالفت نہ کی، چنانچہ اس مسئلہ پر اجماع ہے۔^۲

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے لیکن شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز لکھتے ہیں کہ

الجمع رخصة عند نزول المطر أو عند المرض وفي السفر كذلك، الله جل وعلا يجب أن تؤتى رخصه، فإذا نزل بالمسلمين مطر يشق عليهم معه أداء الصلاة في وقتها، العشاء أو العصر مع الظهر فلا بأس أن يجمعوا كما يجمع في السفر، المسافر يجمع بين الظهر والعصر والمغرب والعشاء... والصواب أنه غير منسوخ لكن المحمول على أنه جمع لعذر شرعي غير الخوف وغير المطر وغير السفر كالدهض، فإن الدهض عذر شرعي أيضًا، فإذا كانت الأسواق فيها زلوق وطين حول المسجد ولو لبعض الجماعة فإن هذا عذر... وإذا تركوا الجمع بين الظهر والعصر خروجا من الخلاف وصبروا على بعض المشقة فهذا حسن إن شاء الله.^۳

”بارش، مرض اور سفر کے وقت نماز جمع کرنے کی رخصت ہے۔ اور اپنی دی ہوئی رعایتوں سے فائدہ اٹھانا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے۔ سوجب مسلمانوں پر بارش آئے جس سے اپنے وقت پر نماز ادا کرنا مشکل ہو جائے تو وہ سفر کی طرح ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر سکتے ہیں۔ اور درست یہ ہے کہ حدیث منسوخ نہیں بلکہ خوف، بارش اور سفر کے علاوہ مزید کسی شرعی عذر اور رکاوٹ کی صورت میں بھی نمازوں کو جمع کیا جاسکتا ہے کیونکہ رکاوٹ بھی ایک شرعی عذر ہے۔ سوجب بازاروں میں، مسجدوں کے گرد پھسلن اور کچھڑ ہو، چاہے بعض لوگ ہی اس سے متاثر ہوں تو یہ عذر ہے۔ اگر بعض لوگ اختلاف سے بچتے ہوئے ظہر و عصر کو جمع نہ کریں اور مشقت پر صبر کریں تو یہ بھی اچھا ہے۔“

۱ صحیح مسلم: كِتَابُ صَلَاةِ الْمَسَافِرِ بَيْنَ وَقْفَرِهَا (بَابُ الْجُمُعِ بَيْنَ الصَّلَاتَيْنِ فِي الْخُضْرِ)، رقم ۱۶۳۳

۲ <https://islamqa.info/ar/answers/31172>

۳ <https://binbaz.org.sa/fatwas/11585>

② اسی طرح مرض اور خوف کی مشکل ترین حالت میں نماز باجماعت کو ترک بھی کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں دورانِ جہاد، صلاۃ خوف کے سلسلے میں آتا ہے:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ فِرْجَالَ أَوْ دُبُلًا نَّاءً﴾ (البقرہ: ۲۳۹)

”اگر تم حالت خوف میں ہو تو خواہ پیدل ہو یا سوار (تو جیسے ممکن ہو نماز ادا کر لو)۔“
شیخ عبدالعزیز بن باز لکھتے ہیں:

فإنهم يصلون رجلا وركبانا ولو بالإياء، كل يصلي لنفسه مستقبل القبلة، وغير مستقبلها عند الضرورة كما قال الله جل وعلا: ﴿وَإِنْ خِفْتُمْ فِرْجَالَ أَوْ دُبُلًا نَّاءً﴾^۱
”دوران جہاد پیادہ یا سوار، ہر حالت میں حتیٰ کہ اشارہ کے ساتھ بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ ہر شخص اپنے تئیں قبلہ رخ ہو کر نماز پڑھ لے، اور حسب ضرورت قبلہ کے علاوہ دوسری سمت بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔“

③ اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِيَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنْ اتِّبَاعِهِ عُدْرٌ» قَالُوا: وَمَا الْعُدْرُ؟ قَالَ: «خَوْفٌ، أَوْ مَرَضٌ». لَمْ تُقْبَلْ مِنْهُ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّى^۲.

”جس نے مؤذن کو سنا اور اس کی اتباع کرنے میں (مسجد میں آنے سے) اسے کوئی عذر مانع نہ ہوا۔... سننے والوں نے پوچھا: عذر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ”کوئی خوف یا بیماری... تو ایسے آدمی کی نماز جو وہ پڑھے گا، مقبول نہ ہوگی۔“

اس حدیث کی سند میں جو کلام ہے، وہ عذر کی وضاحت یعنی خوف اور مرض کی حد ہے۔ کیونکہ سنن ابن ماجہ میں سیدنا عبد اللہ بن عباس کا یہی فرمان بالکل صحیح سند کے ساتھ ان الفاظ میں موجود ہے:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِهِ، فَلَا صَلَاةَ لَهُ، إِلَّا مِنْ عُدْرٍ»^۳.

”جو شخص اذان سن کر (نماز کے لیے مسجد میں) نہیں آتا، اس کی کوئی نماز نہیں، الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔“

کشاف القناع میں ان اعذار کا تذکرہ کرتے ہوئے، جن کی بنا پر جمعہ اور جماعت کو چھوڑنے کی اجازت

۱ فتاویٰ نور علی الدرب از شیخ ابن باز: ۱۳/۱۳۲، ۱۳۰

۲ سنن ابی داؤد: كِتَابُ الصَّلَاةِ (بَابُ فِي التَّشْدِيدِ فِي تَرْكِ الْجَمَاعَةِ)، رقم ۵۵۱... اس حدیث کو دار الدعوة، دہلی کی مجلس علمی نے صحیح جبکہ شیخ ناصر الدین البانی نے عذر کی وضاحت کے علاوہ باقی الفاظ کو صحیح قرار دیا ہے۔

۳ سنن ابن ماجہ: كِتَابُ الْمَسَاجِدِ وَالْجَمَاعَاتِ (بَابُ التَّغْلِيظِ فِي التَّخَلُّفِ عَنِ الْجَمَاعَةِ)، رقم ۹۳۷

ہے، امام منصور بن یونس اور یس بہوتی جنبلی (م ۱۰۵۱ھ) لکھتے ہیں:

(وَكَذَا مِنْ بَرَصٍ جُذَامٌ يُتَأَدَّى بِهِ) قِيَاسًا عَلَى أَكْلِ الثُّومِ وَنَحْوِهِ، بِجَمَاعٍ الْأَذَى وَيَأْتِي فِي التَّغْرِيرِ مَنَعُ الْجُذَمَى مِنْ مُخَالَطَةِ الْأَصْحَاءِ.^۱

”اسی طرح کوڑھ اور برص کی بیماری ہے جس میں لہسن و پیاز پر قیاس کیا گیا ہے جو سب اذیت کو یکجا کر نیوالے ہیں۔ اور تغیر میں بھی کوڑھی کی صحت مند لوگوں سے میل جول کی ممانعت آئی ہے۔“

مذکورہ آیت کریمہ اور احادیث سے علم ہوا کہ کسی شرعی عذر کی بنا پر فرض نماز کو جمع کیا جاسکتا ہے اور اسے جماعت کے بغیر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ متعدی اور وبائی امراض بھی، مرض اور خوف کی سنگین صورت ہیں، جب وہ کسی علاقے میں فی الحقیقت پائے جائیں، نہ کہ محض میڈیا کے زور پر ان کا خوف مسلط کر دیا گیا ہو۔ اس بنا پر بیماری کے حقیقی خوف سے فرض نماز مسجد میں جمع کرنے اور گھر میں بھی پڑھنے کی رخصت ہے۔

④ ان احادیث میں رخصت و اجازت کی بات ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ صرف انفرادی رخصت کا معاملہ ہے یا مسلم حکومت بھی اس بات کی مجاز ہے کہ لوگوں کو گھر میں نماز پڑھنے کی تلقین کرے۔ اس سلسلے میں نبی کریم کی وہ حدیث خاص اہمیت رکھتی ہے، جسے حضرت نافع نے سیدنا ابن عمر سے روایت کیا ہے:

أَذَّنُ ابْنُ عُمَرَ فِي لَيْلَةِ بَارِدَةَ بَضْجَنَانَ، ثُمَّ قَالَ: صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ، فَأَخْبَرَنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يَأْمُرُ مُؤَدَّنًا يُؤَدِّنُ، ثُمَّ يَقُولُ عَلَى إِفْرِهِ: «الَّا صَلُّوا فِي الرَّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ، أَوْ الْمَطِيرَةِ فِي السَّفَرِ».^۲

”عبداللہ بن عمر نے ایک مرتبہ سخت سردی کی رات میں ضجنان پہاڑی پر اذان دی، پھر فرمایا: اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو۔ انہوں نے ہمیں بتایا کہ رسول اللہ ﷺ دوران سفر، سخت سردی یا بارش کی رات میں اپنے مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ اذان کہنے کے بعد یوں کہہ دے: توجہ سے سنو! اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو۔“

اس حدیث کی تشریح میں مولانا عبدالستار حماد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”اس میں اختلاف ہے کہ اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھنے کا اعلان حی علی الصلاة کی جگہ یا اسکے بعد یا اذان سے فراغت کے بعد کیا جائے؟ متقدمین کے ہاں اسکے متعلق تین موقف حسب ذیل ہیں:

(۱) حی علی الصلاة کی جگہ ان الفاظ کو کہا جائے، چنانچہ سیدنا ابن عباس سے مروی ہے کہ انھوں

۱ کشف القناع از امام منصور بہوتی جنبلی: ۳۹۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲ صحیح البخاری: کتاب الأذان (باب من قال: لِيُؤدِّنَ فِي السَّفَرِ مُؤَدِّنٌ وَاحِدٌ)، رقم ۶۳۲

نے مؤذن کو کہا کہ جب تو اُشهد أن محمدًا رسول الله کہے تو حی علی الصلاة مت کہنا بلکہ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا اعلان کرنا۔ (صحیح البخاری، المجمع، حدیث: ۹۰۱)

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا ابن عباسؓ نے کیچڑ والے دن خطبہ دینے کا ارادہ فرمایا، مؤذن جب حی علی الصلاة پر پہنچا تو اسے حکم دیا کہ وہ الصلاة فی الحال کے الفاظ کہے۔ (صحیح البخاری، الاذان، حدیث: ۶۶۸) ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ الصلاة فی الحال کے الفاظ حی علی الصلاة کی جگہ پر کہے جائیں۔ امام ابن خزیمہ نے ان الفاظ کے پیش نظر اس حدیث پر بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے کہ بارش کہ دن حی علی الصلاة کے الفاظ حذف کر دیے جائیں۔

ان حضرات نے جب اذان کے مفہوم پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ حی علی الصلاة کہنے، پھر الصلاة فی الحال یا صلوا فی بیوتکم کا اعلان کرنے میں بظاہر تضاد ہے، اس لیے حی علی الصلاة کے الفاظ حذف کر دیے جائیں۔ (فتح الباری: ۱۳۰/۲)

(۲) حی علی الصلاة کے بعد یہ اعلان کیا جائے۔ اس کے متعلق ایک روایت پیش کی جاتی ہے کہ سخت سردی کی رات میں مؤذن نے اذان دی تو اس نے حی علی الفلاح کہنے کے بعد صلوا فی رحالکم یعنی گھروں میں نماز پڑھنے کا اعلان کیا۔ (المصنف عبد الرزاق: ۵۰۱/۱، ۵۰۲/۱، ۱۹۲۵، ۱۹۲۶)

(۳) گھروں میں نماز پڑھنے کا اعلان اذان مکمل ہونے کے بعد کیا جائے جیسا کہ مذکورہ روایت میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس امر کی صراحت کی ہے تاکہ اذان کا نظم متاثر نہ ہو۔

ہمارے نزدیک راجح آخری موقف ہے کہ اذان کی تکمیل کے بعد گھروں میں نماز پڑھنے کا اعلان کیا جائے کیونکہ ان الفاظ سے اگر کوئی فائدہ اٹھا کر گھر میں نماز پڑھنا چاہے تو اس کے لیے رخصت ہے اور اگر حی علی الصلاة کے پیش نظر تکلیف برداشت کر کے مسجد میں آتا ہے تو اس کے لیے یقیناً یہ امر باعثِ اجر و ثواب ہو گا۔ اس سلسلے میں سیدنا جابرؓ سے ایک روایت ہے کہ ہم ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر میں نکلے تو بارش ہونے لگی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر کوئی خیمے میں نماز

۱ سنن نسائی میں عمرو بن اوس سے مروی ہے کہ اُنْبَأَنَا رَجُلٌ مِنْ قَيْفِ أَنَّهُ سَمِعَ مُتَادِي النَّبِيِّ ﷺ يَغْنِي فِي لَيْلَةٍ مَطِيرَةٍ فِي السَّفَرِ يَقُولُ: حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ (كِتَابُ الْأَذَانِ، رَم ۶۵۳، ص ۶۵۳)... پہلا موقف سیدنا عبد اللہ بن عباس کا ہے جو مرجوح ہے۔ جبکہ دوسرا اور تیسرا موقف نبی کریم ﷺ سے مروی ہے جس میں دوسرے موقف کو تیسرے پر محمول کرنا راجح ہے، کیونکہ لفظ حدیث میں اس کی صراحت پائی جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ”ثُمَّ يَقُولُ عَلَى آثَرِهِ صَرِيحٌ فِي أَنَّ الْقَوْلَ الْمَذْكُورَ كَانَ بَعْدَ قَرَاغِ الْأَذَانِ.“ (فتح الباری: ۱۱۳/۲)

پڑھنا چاہے تو اسے اجازت ہے۔“ (صحیح مسلم، صلاۃ المسافرین، حدیث: ۱۶۰۳... ۶۹۸)

ﷺ حدیث میں سفر کا ذکر اتفاقی ہے۔ اگر ایسے حالات حضر میں پیدا ہو جائیں تو عام حالات میں بھی مذکورہ اعلان کیا جاسکتا ہے تاکہ لوگوں کو سہولت رہے اور مسجد میں آنے کی مشقت سے محفوظ رہیں۔“

عذر اور اعلان کے باوجود باجماعت نماز پڑھنا ہی افضل اور کارِ عزیمت ہے! ﷺ

⑤ اسی حوالے سے ایک اور اہم حدیث سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

خَطْبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمِ رَدَخٍ، فَلَمَّا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُنَادِيَ «الصَّلَاةُ فِي الرَّحَالِ»، فَظَنَرَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَقَالَ: «فَعَلَ هَذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ، وَإِنَّهَا عَزْمَةٌ»!

”سیدنا ابن عباسؓ نے بارش کے دن خطبہ دینے کا ارادہ کیا۔ جب مؤذن حی علی الصلاۃ تک پہنچا تو انہوں نے اسے حکم دیا کہ اعلان کرو: ”ہر شخص اپنے گھر میں نماز پڑھ لے۔“ (یہ سن کر لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: یہ کام اس شخص ﷺ نے کیا ہے جو ہم سے بہتر تھا۔ اور یہ (باجماعت نماز جمعہ) حتمی اور واجب ہے۔“

مذکورہ تفصیلات سے علم ہوا کہ بوقت ضرورت امام باجماعت نماز کو گھروں میں پڑھنے کی اجازت بھی دے سکتا ہے، اور راجح یہی ہے کہ یہ اجازت پر مبنی جملہ اذان کے آخر میں کہا جائے تاکہ اذان کا نظم متاثر نہ ہو۔ اب سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کی جگہ «الصَّلَاةُ فِي الرَّحَالِ» یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کہنے کے قائل ہیں۔ لیکن نماز کی دعوت نہ دینے کے باوجود بھی وہ باجماعت نماز کی فضیلت کے ہی قائل ہیں۔ جیسا کہ سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کی سابقہ حدیث کے الفاظ ہیں: «وَإِنَّهَا عَزْمَةٌ»۔ یعنی ”باجماعت نماز جمعہ میں شریک ہونا واجب اور حتمی ہے۔“

اور ہمارے راجح قول کے مطابق مسجد میں آنے کا اذان میں اعلان ہونا چاہیے اور دوسری طرف گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت بھی ہے اور یہ دونوں میں تضاد ہے۔ چنانچہ دونوں میں امکانی تطبیق یہ ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت اور مسجد میں باجماعت پڑھنے کی فضیلت ہے۔ جیسا کہ

a. صحیح مسلم میں سیدنا جابرؓ کی روایت میں یہ اجازت مروی ہے کہ

خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَمُطِرْنَا، فَقَالَ: «لِيُصَلَّ مَنْ شَاءَ مِنْكُمْ فِي

رَحَلِهِ»^۱ "ایک سفر میں ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نکلے تو بارش ہو گئی، آپ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے جو چاہے، اپنی قیام گاہ میں نماز پڑھے۔"

b. امام عبد الرزاق صنعانی (۲۱۱ھ) صلّوا فی رحالکم والی احادیث پر باب کا عنوان یوں قائم کرتے ہیں:
بَابُ الرَّحْصَةِ لِمَنْ سَمِعَ النَّدَاءَ.^۲ "اذان سننے والے کے لئے رخصت / اجازت کا باب"
c. اور حافظ ابن حجر اس کی یوں وضاحت کرتے ہیں:

"وَيُمْكِنُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا ... مَا ذُكِرَ بِأَنْ يَكُونَ مَعْنَى الصَّلَاةِ فِي الرَّحَالِ رُحْصَةً لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَتَرَخَّصَ وَمَعْنَى هَلُمُّوْا إِلَى الصَّلَاةِ نَدْبٌ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَسْتَكْمِلَ الْفَضِيلَةَ وَلَوْ تَحْمَلُ الْمَشَقَّةَ."^۳

"اور دونوں جملوں میں تطبیق ممکن ہے کہ «الصَّلَاةُ فِي الرَّحَالِ» کو رخصت پر عمل کرنے والے کے لئے اجازت سے تعبیر کر لیا جائے، اور نماز کی طرف آنے کی دعوت کو اس نمازی کے مستحب عمل پر محمول کیا جائے جو مشقت کے باوجود فضیلت کی تکمیل چاہتا ہو۔"

d. امام یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

هَذَا الْحَدِيثُ دَلِيلٌ عَلَى تَخْفِيفِ أَمْرِ الْجُمُعَةِ فِي الْمَطَرِ وَنَحْوِهِ مِنَ الْأَعْدَارِ وَأَنَّهَا مُتَاكَّدَةٌ إِذَا لَمْ يَكُنْ عُذْرٌ وَأَنَّهَا مَشْرُوعَةٌ لِمَنْ تَكَلَّفَ الْإِتْيَانَ إِلَيْهَا وَتَحْمَلُ الْمَشَقَّةَ لِقَوْلِهِ فِي الرَّوَايَةِ الثَّانِيَةِ يُصَلُّ مَنْ شَاءَ فِي رَحَلِهِ وَأَنَّهَا مَشْرُوعَةٌ فِي السَّفَرِ وَأَنَّ الْأَذَانَ مَشْرُوعٌ فِي السَّفَرِ.

قوله: "إِنَّ الْجُمُعَةَ عَزْمَةٌ" بِإِسْكَانِ الرَّايِ أَيِ وَاجِبَةٌ مُتَحْتَمَةٌ فَلَوْ قَالَ الْمُؤَدِّنُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ لَكَلَّفْتُمْ الْمُحْيِيَءَ إِلَيْهَا وَلِحَقَّتْكُمْ الْمَشَقَّةُ قَوْلُهُ: "كَرِهْتُ أَنْ أَحْرِجَكُمْ" هُوَ بِالْحَاءِ الْمُهْمَلَةِ مِنَ الْحَرْجِ وَهُوَ الْمَشَقَّةُ ... وَفِي هَذَا الْحَدِيثِ دَلِيلٌ عَلَى سُقُوطِ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الْمَطَرِ وَنَحْوِهِ وَهُوَ مَذْهَبُنَا وَمَذْهَبُ آخَرِينَ وَعَنْ مَالِكٍ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى خِلَافُهُ وَاللَّهُ تَعَالَى أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.^۴

۱ صحیح مسلم: صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرين (باب الصلاة في الرحال في المطر)، ۶۹۸،
۲ مصنف عبد الرزاق الصنعاني: ج/ص ۵۰۰، نقل حدیث ۱۹۲۳
۳ فتح الباری: ۲/۱۱۳، دار المعرفۃ، ۱۳۷۹ھ
۴ المنہاج شرح مسلم از امام نووی: ۵/۲۰۸، دار احیاء التراث العربی ۱۳۹۲ھ

”یہ حدیث ابن عباس بارش اور اس سے ملتے جلتے عذروں کی صورت میں باجماعت نماز کے حکم میں گنجائش کی دلیل ہے۔ اور باجماعت نماز ہی کی تاکید ہے جب کوئی شرعی عذر نہ ہو۔ ہر ایسا شخص جو باجماعت نماز کے حکم کا پابند ہے اور مشقت برداشت کر سکتا ہے، تو اس کے لئے باجماعت نماز پڑھنا ہی مشروع / مستحب ہے۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں فرمان نبوی ہے جو چاہے اپنی قیام گاہ پر ہی اسے پڑھے، اور باجماعت نماز اور اذان سفر میں بھی مشروع ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس کا یہ کہنا کہ جمعہ عَزْمَةٌ ہے (زکی جزم کے ساتھ)۔ اس کا مطلب واجب اور حتمی ہے۔ سو جب مؤذن نے حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ کہہ دیا تو تمہیں نماز کے لئے آنے کا پابند کر دیا گیا اور تم پر کوشش لازمی ہو گئی۔ پھر ان کا یہ کہنا کہ تمہیں مشکل میں ڈالنا مجھے اچھانہ لگا تو یہ لفظ حَرَج سے ہے جس کا مطلب مشقت ہے۔۔۔“ ایسے شدید اعذار کی صورت میں جمعہ کا وجوب ساقط ہو جائے گا،

جیسا کہ شافعیہ وغیرہ کی رائے ہے اور امام مالک سے اس کے برعکس منقول ہے۔ واللہ اعلم“
یعنی ”اگر کوئی شخص ایسی حالت میں جمعے میں نہ آئے تو وہ ان وعیدوں کا مستحق نہیں ہو گا جو جمعہ ترک کرنے کے حوالے سے وارد ہوئی ہیں، اسی طرح جماعات کا بھی حکم ہو گا، نہ یہ کہ مساجد سے جماعت اور جمعے کا اہتمام ہی موقوف کر دیا جائے گا۔“

e. اور شیخ محمد بن صالح العثیمین یوں اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں:

”ولكن هل نقول: حي على الفلاح؟ ... نعم، ربما نقول: حي على الفلاح؛ لأن الإنسان مفلح، ولو صلى في بيته...“^۲
”آپ کہتے ہیں کہ کیا ہم حی علی الفلاح بھی کہہ سکتے ہیں؟ جی بالکل کیوں کہ انسان گھر میں بھی اگر نماز پڑھ رہا ہو تو وہ فلاح یافتہ ہی ہوتا ہے۔“

f. اوپر شارح بخاری مولانا عبد الستار الحمدانی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف بھی گزر چکا ہے کہ بارش کے دوران گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے، اور فضیلت والا عمل وہی ہے کہ باجماعت نماز پڑھی جائے۔

g. باجماعت نماز کی فضیلت کا موقف سنن نسائی کے شارح شیخ الحدیث مولانا محمد امین نے بھی اختیار کیا ہے: ”ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ حی علی الصلوة اور حی علی الفلاح ایک ایک دفعہ کہا جائے گا، لیکن یہ اختصار ہے۔ عام اذان کی طرح بارش والی اذان میں بھی یہ کلمات دو دو دفعہ ہی کہے

۱ کورونا پرفٹوی جامعہ علوم اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی، ص ۱۹

۲ تعلیقات ابن عثیمین علی الکافی لابن قدامة (۳۶/۲) بترقیم الشاملة آلیا

جائیں گے بلکہ صلّوا فی بیوتکم یا الّا صلّوا فی رحالکم بھی دودفعہ کہا جائے گا۔
 صلوا فی رحالکم سے ملتا جلتا کوئی اور لفظ بھی کہا جاسکتا ہے، مثلاً: صلوا فی بیوتکم یا الّا صلوا
 فی الرحال وغیرہ۔ یہ الفاظ حی علی الصلاۃ کے منافی نہیں کیونکہ حی علی الصلاۃ کا مقصود
 ہے: ”نماز پڑھو“ اور اگر اس سے مراد یہ ہو کہ نماز کے لیے مسجد میں آؤ تو یہ خطاب بارش کی صورت
 میں حاضرین سے ہوگا اور غائبین سے خطاب الّا صلّوا فی الرحال ہوگا۔

یہ الفاظ اس روایت کے مطابق توحی علی الفلاح کے بعد کہے جائیں گے اور یہی نسب ہے تاکہ
 لوگوں کو رخصت کا علم ساتھ ہو جائے۔“^۱

اس تشریح میں شارح نے دونوں الفاظ اذان میں تطبیق دیتے اور دونوں کے مفہوم کو واضح کرتے ہوئے
 اپنے موقف میں حیعلتین کے بعد صلّوا فی بیوتکم کہنے کو راجح قرار دیا ہے۔ اور مسجد میں نماز پڑھنے کے
 جواز کی بات کی ہے۔

h. سنن ابوداؤد میں بھی اوپر مذکور صحیح مسلم والا واقعہ مروی ہے، شارح مولانا عمر فاروق سعیدی لکھتے ہیں:
 ”ایسے مواقع پر جماعت کی رخصت ہے۔ یعنی آدمی اکیلے جماعت کے بغیر یا اپنے گھروں میں بھی نماز
 پڑھ سکتا ہے۔ مگر حاضر ہونے میں یقیناً فضیلت ہے۔“^۲

ماضی میں وباؤں کے دوران نیک لوگوں کا معمول یہ رہا کہ مسجدوں کو بند کرنے کی بجائے، ان کی مسجدوں
 میں عبادت میں اضافہ ہو گیا، جیسا کہ قاضی عبدالرحمن دمشقی قرشی (۸۷۲ھ) ۸۶۳ھ میں پھوٹنے والی طاعون
 کی وبا کے بارے میں لکھتے ہیں:

”وكان هذا كالتطاعون الأول عمّ البلاد وأفنى العباد، وكان الناس به على خير
 عظیم: من إحياء الليل، وصوم النهار، والصدقة، والتوبة... فهجرنا البيوت؛
 ولزمننا المساجد، رجالنا وأطفالنا ونساءنا؛ فكان الناس به على خير.“^۳
 ”جب طاعون پھیل گیا اور لوگوں کو ختم کرنے لگا، تو لوگوں نے تہجد، روزے، صدقہ اور توبہ واستغفار
 کی کثرت شروع کر دی اور ہم مردوں، بچوں، اور عورتوں نے گھروں کو چھوڑ دیا ہے اور مسجدوں کو
 لازم پکڑ لیا، تو اس سے ہمیں بہت فائدہ ہوا۔“

۱ سنن النسائي: كِتَابُ الْأَذَانِ (بَابُ الْأَذَانِ فِي التَّخْلُفِ عَنِ شُهُودِ الْجَمَاعَةِ...)، رقم ۶۵۳ کے تحت

۲ سنن أبي داؤد: كِتَابُ تَفْرِيعِ أَبْوَابِ الْجُمُعَةِ (بَابُ التَّخْلُفِ عَنِ الْجَمَاعَةِ فِي اللَّيْلَةِ...)، رقم ۱۰۶۵

۳ شفاء القلب المحزون في بيان ما يتعلق بالطاعون / مخطوط از قاضی صفد محمد قرشی

علمائے کرام کے مذکورہ اقوال اور عادات سے علم ہوتا ہے کہ ان احادیث سے مساجد کی کھلی بندش، باجماعت نماز کو بند کر دینے، یا موقوف کر دینے کا استدلال درست نہیں، بلکہ یہ صرف رخصت کی قبیل سے ہے اور مساجد میں باجماعت نماز بہر طور جاری رکھی جائے گی۔ مساجد کا عملہ ایک گھر کے افراد کی طرح قرطینہ میں رہتے ہوئے کم از کم چند نمازیوں کے ساتھ مسجد میں اذان اور باجماعت نماز وجہ کو جاری رکھ سکتا ہے۔

① کسی علاقے میں اگر بڑے پیمانے پر حقیقی مرض پھیل جائے تو باجماعت نماز سے رخصت کے اس ماثور موقف کو اگر معاشرے میں عام کر دیا جائے تو اس سے از خود اکثر طبی و شرعی مقاصد حاصل ہو جاتے ہیں، مساجد کو بند نہ کیا جائے، مساجد میں احتیاط کے ساتھ باجماعت نماز و خطبہ جاری رہے اور مساجد میں عام مسلمانوں کا آنا افضل سمجھا جائے۔ جبکہ حتمی مریضوں کو بھی بتا دیا جائے کہ شرعی و طبی پر طور ان کا مسجد میں آنا کوئی کارِ ثواب نہیں بلکہ بعض اوقات باعثِ گناہ بھی ہو سکتا ہے۔

❧ جب تک حالات سنگین نہ ہوں اور مرض بڑے پیمانے پر نہ پھیلا ہو تو کارِ عزیمت اور افضل یہ ہے کہ نماز کو مسجد میں ہی پڑھا جائے جیسا کہ پیچھے علمائے کرام کے سات اقوال ذکر کئے گئے ہیں کہ انہوں نے ایسے ہی حالات میں باجماعت نماز کے افضل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ تاہم جب مرض بڑے پیمانے پر پھیل جائے تو بعض اوقات رخصتوں پر عمل کرنا بھی باعثِ فضیلت ہو سکتا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایسے حالات میں فرمایا:

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَرَأَى زَحَامًا وَرَجُلًا قَدْ ظَلَّلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا هَذَا فَقَالُوا صَائِمٌ فَقَالَ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ»^۱

”رسول اللہ ﷺ نے دورانِ سفر ایک ہجوم دیکھا۔ اس میں ایک آدمی نظر آیا جس پر سایہ کیا گیا تھا۔ آپ نے فرمایا: ”یہ کیا ہے؟“ لوگوں نے عرض کیا: یہ شخص روزے دار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”(ایسے حالات میں) دورانِ سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں۔“

ایسے ہی صحیح مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان المبارک میں فتح مکہ کے لیے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے۔ آپ روزے کی حالت میں تھے۔ جب مقام کراع الغمیم پہنچے تو آپ سے کہا گیا کہ لوگوں پر روزہ بہت مشکل ہو رہا ہے اور وہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے عصر کے بعد پانی کا ایک پیالہ منگوا لیا اور اسے لوگوں کے سامنے کر کے نوش کر لیا۔ اس کے بعد آپ کو بتایا گیا کہ کچھ لوگوں نے روزہ افطار نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا: ”یہی نافرمان ہیں، یہی نافرمان ہیں۔“^۲

۱ صحیح البخاری: كِتَابُ الصَّوْمِ (بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَمَّا ظَلَّلَ عَلَيْهِ وَاشْتَدَّ الْحَرُّ)، رقم ۱۹۴۶

۲ صحیح مسلم، الصیام، حدیث: ۲۶۱۰ (۱۱۱۴)

علم ہوا کہ افضل ہونے کا تعلق آسانی اور سہولت کے ساتھ بھی ہے اور جب کوئی کام شدید مشقت کا باعث بن جائے تو اس وقت اللہ کی دی رخصتوں پر عمل کرنا ہی افضل ہوتا ہے۔ چنانچہ مذکورہ حدیث پر امام بخاری کا عنوان بھی اسی کی نشاندہی کرتا ہے:

باب قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَنْ يَطَّلَعَ عَلَيَّ وَاشْتَدَّ الْحَرُّ لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصَّوْمُ فِي السَّفَرِ
 ② اگر متعدی مرض حقیقتاً پھیل جائے تو مسلمانوں کے لئے مساجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنے کی رخصت موجود ہے۔ تاہم ایسی صورت حال میں گھروں میں باجماعت نماز کو فروغ دینا چاہیے۔ جیسا کہ بہت سے دین دار مسلمانوں نے ایسے حکومتی احکامات کے دوران اپنے گھروں کو مساجد بنا دیا۔ جس میں خواتین اور بچوں کو بھی باجماعت نماز میں شریک کیا جاتا رہا۔

کویت میں بہت پہلے، مارچ ۲۰۲۰ء کے پہلے ہفتہ میں جب مساجد میں ألا صَلُّوا فِي الرَّحَالِ كَا اعلان شروع کر کے مساجد کو عوام کے لئے بند کر دیا گیا، تو بعض لحاظ سے اس حکومتی اقدام کو درست نہیں کہا جاسکتا۔ یہاں پہلی غلطی حدیثِ نبویہ سے استدلال کی تھی کہ احادیث میں ایسی صورت میں مساجد کو عوام کے لئے کلیۃً بند نہیں کیا جاسکتا بلکہ مساجد کھلی رہتی ہیں، وہاں باجماعت نماز جاری رہتی ہے جبکہ مرض کا حقیقی خوف پائے جانے کی صورت میں مسلمانوں کے لئے گھر میں نماز پڑھنے کی محض اجازت ہوتی ہے، جیسا کہ اوپر علمائے کرام کے اقوال ذکر کئے گئے۔ دوسری غلطی یہ تھی کہ مرض کے حقیقی فروغ کی بجائے، میڈیا پر اس کے اعلانات کو ہی وسیع پیمانے پر پھیل جانے والے مرض کے مساوی سمجھ لیا گیا۔ جب کہ آٹھ ماہ گزرنے کے باوجود کویت میں متاثرہ لوگوں کی تعداد اگست ۲۰۲۰ء تک ۱۵۰۰ اموات تک نہیں پہنچی۔

کوروناء بھی عام امراض کی طرح ایک متعدی مرض ہے، اس کی پریشان کن بات دراصل اس کی وسیع پیمانے پر پھیلنے کی صلاحیت ہے۔ جبکہ کوروناء مریضوں کی حقیقت اور سنگینی کا اصل علم، فوت شدگان کی تعداد سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ پاکستان جیسے علاقوں میں اس کی شرح اموات ایک فیصد سے کچھ زیادہ ہے، جن میں سے اکثر مریض دیگر امراض کا شکار ہونے کی بنا پر کوروناء وائرس کا مقابلہ نہیں کر پائے۔ ان حالات میں کویت میں قبل از وقت مساجد کو بند کر دیا جانا، دراصل مذکورہ احادیثِ نبویہ کا ضرورت سے متجاوز استعمال قرار دیا جاسکتا ہے۔ صفحہ ۲۴ پر فتویٰ میں بھی یہی بیان ہوا کہ مختلف علاقوں میں مریضوں کے لحاظ سے اس کا فیصلہ کیا جائے گا، اور شرعی حکم اغلیبت پر محمول ہو گا۔

مساجد میں فاصلے کے ساتھ نماز پڑھنا بہتر ہے یا باجماعت نماز کو ترک کرنا؟

رمضان المبارک میں بعض علمائے کرام نے جب یہ دیکھا کہ مساجد میں صفوں کو ملانے کی اجازت نہیں تو انہوں نے ایسے حالات میں خلاف سنت نماز کو چھوڑ کر گھروں میں انفرادی نماز پڑھنے کا فتویٰ دے دیا۔ حالانکہ

حکومت نے مساجد کو اگر اس شرط پر کھولنے کی اجازت دی ہو کہ نمازی مناسب فاصلہ کی پابندی کریں گے تو صفیں قریب قریب کرنے کے حکم کو مجبوراً گوارا کیا جاسکتا ہے۔

شیخ ابن تیمیہ سے جب یہی سوال کیا گیا کہ مساجد میں باجماعت نماز اور باجماعت نماز میں صفوں کو ملانے میں رکاوٹ پیدا ہو جائے تو کس عمل کو ترجیح دی جائے تو آپ نے باجماعت نماز کی اہمیت کو صف بندی اور مل کر نماز پڑھنے سے اہم تر قرار دیتے ہوئے فرمایا:

يَدُلُّ اِنْفِرَادُ الْاِمَامِ وَالْمَرْءِ عَلَى جَوَازِ اِنْفِرَادِ الرَّجُلِ الْمَأْمُومِ لِحَاجَةِ وَهُوَ مَا اِذَا لَمْ يَحْضُرْ لَهُ مَكَانٌ يُصَلِّي فِيهِ اِلَّا مُنْفَرِدًا فَهَذَا قِيَاسٌ قَوْلِ اَحْمَدَ وَغَيْرِهِ وَلِأَنَّ وَاِجَابَاتِ الصَّلَاةِ وَغَيْرَهَا تَسْقُطُ بِالْاَعْذَارِ فَلَيْسَ الْاِضْطِفَافُ اِلَّا بَعْضُ وَاِجَابَاتِهَا فَسَقَطَ بِالْعَجْزِ فِي الْجَمَاعَةِ كَمَا يَسْقُطُ غَيْرُهُ فِيهَا وَفِي مَتْنِ الصَّلَاةِ. وَهَذَا كَانَ تَحْصِيلُ الْجَمَاعَةِ فِي صَلَاةِ الْحَوْفِ وَالْمَرَضِ وَنَحْوِهِمَا مَعَ اسْتِدْبَارِ الْقِبْلَةِ وَالْعَمَلِ الْكَثِيرِ وَمُفَارَقَةِ الْاِمَامِ وَمَعَ تَرْكِ الْمَرِيضِ الْقِيَامَ: اَوْلَى مِنْ اَنْ يُصَلُّوا وَحْدَانًا.¹

”امام اور عورت کا اکیلے نماز پڑھنا بھی بوقت ضرورت مقتدی کے منفرد (بلاصاف) نماز پڑھنے پر دلالت کرتا ہے خصوصاً اس وقت جب اس کے لئے بلاصاف نماز پڑھنے کے سوا کوئی جگہ نہ بچے۔ یہ امام احمد وغیرہ کے قول پر قیاس ہے۔ کیونکہ نماز کے واجبات بعض عذروں کی بنا پر ساقط بھی ہو جاتے ہیں۔ اور صف بندی بھی نماز کے واجبات میں سے ہی ہے۔ جس طرح دیگر واجبات ساقط ہوتے ہیں، ویسے ہی عاجزی اور عدم استطاعت کی صورت میں یہ واجب بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر نماز خوف اور مرض وغیرہ میں قبلہ رخ نہ ہونا، عمل کثیر کرنا، امام سے جدا ہو جانا، مریض کا قیام کو ترک کر دینا، اکیلے نماز پڑھنے سے کہیں بہتر ہے۔“

آپ کہتے ہیں کہ جب دو واجبات میں تعارض ہو جائے، اور دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ رہے تو ان سے میں سے راجح واجب پر عمل کیا جائے گا۔ جس کی دلیل قرآن مجید میں یہ ہے کہ

الَّتِي دَلَّ عَلَيْهَا قَوْلُهُ تَعَالَى: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ وَقَوْلُهُ ﷺ: «اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ». وَانَّهُ اِذَا تَعَدَّرَ جَمْعُ الْوَاجِبَيْنِ قُدِّمَ اَرْجَحُهُمَا وَسَقَطَ الْاٰخَرُ بِالْوَجْهِ الشَّرْعِيِّ.²

1 مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۳/۲۳۶

2 مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۳/۲۵۰

"اللہ سے اتنا ڈرو، جتنا استطاعت میں ہو۔" اور فرمانِ نبوی: "جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو حتی المقدور اس کو بجالاؤ۔" سوجب دو واجب امور کو بیک وقت پورا کرنا مشکل ہو جائے تو راجح واجب پر عمل کیا جائے گا اور دوسرا حکم شرعی وجہ کی بنا پر ساقط ہو جائے گا۔"

پھر امام ابن تیمیہ نے مثالیں دیتے ہوئے فیمن لم یجد مکاناً إلا امام الإمام فیصلي أمامه لتحصیل الجماعة لکھ کر بتایا ہے کہ جس نمازی کو پچھلی صف میں جگہ نہ ملے تو اسے امام کے سامنے (بلاصف) باجماعت نماز کے ثواب کے لئے کھڑے ہو جانا چاہیے۔ مزید آپ نماز خوف میں باجماعت نماز کو باقی رکھنے کے حکم سے بھی استدلال کرتے ہیں جس میں قبلہ رخ ہونا، صف بندی، نماز میں بہت زیادہ اعمال، اور صف بندی کی رعایت نہیں رہتی۔^۱

حنفیہ صفوں کو ملانا سنت تو قرار دیتے ہیں لیکن وہ اس کے بغیر باجماعت ہو جانے کے قائل ہیں چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے مفتی عزیز الرحمن اپنا فتویٰ لکھتے ہیں:

"ایک یا دو صف چھوڑ کر کچھ لوگ پیچھے کھڑے ہو گئے تو ان کی نماز ہوگی یا نہیں؟"

جواب: نماز تو ہوگئی مگر یہ خلاف سنت ہے، صفوف کو متصل کرنا چاہیے اور فرجہ درمیان میں نہ چھوڑنا چاہیے۔"^۲

اور دارالعلوم دیوبند کے اُستاد امانت علی لکھتے ہیں:

"نماز میں صفوں کو درست کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے اور صفوں کی درستی میں مل مل کر کھڑا ہونا ہے اور نماز کا متواتر طریقہ یہی ہے کہ لوگ مل مل کر کھڑے ہوں۔ اس لیے اگر اتنا فاصلہ ہو کہ لوگوں کا ایک نماز میں ہونا معلوم نہ ہو تاہو تو نماز کے متواتر طریقہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے نماز درست نہیں ہوگی۔ ہاں اگر ایک دو بالشت کا فاصلہ ہو، جس میں بظاہر لوگوں کا ایک ہی نماز میں ہونا معلوم ہو تو موجودہ حالات میں اس کی گنجائش ہے۔ اسی طرح اگر کچھ لوگ تو صف میں متصل کھڑے ہوں لیکن ایک دو آدمی مسجد میں ہی ایک میٹر کے فاصلے سے کھڑے ہوں تو اگرچہ ایسا کرنا بھی درست نہیں ہے، تاہم [موجودہ حالات میں] اس کی نماز ہو جائے گی۔"^۳

۱ دیکھیے مقالہ: تخریج نازلة التباعد بين المصلين في الصف الواحد على أصلها من خلال فتاویٰ ابن تیمیہ رحمہ اللہ از ڈاکٹر عبدالرحمن خطاب، اُستادِ اصول فقہ، مدینہ یونیورسٹی، مدینہ منورہ

۲ فتاویٰ دارالعلوم، دیوبند: ۱۳۵/۳

۳ کورونادائرس، اسلامی ہدایات اور جدید مسائل، از مفتی امانت علی، ص: ۳۳

پنجم: باجماعت نمازوں کو موقوف کر کے، مساجد کی کلی بندش درست نہیں!

مساجد پر انتظامی بندش لگانے اور یہاں باجماعت نماز کی کلی ممانعت کی شرع اسلامی سے کوئی دلیل نہیں ملتی۔ اور یہ اس آیت میں مذکور مذمت کے سیاق میں داخل ہے:

﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسُئِلَ فِي خَرَابِهَا﴾ (البقرة: ۱۱۳)

”اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام ذکر کرنے سے روکے اور اس کی ویرانی کے درپے ہو؟“

امام قرطبی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وعلى الجملة فتعطيل المساجد عن الصلاة وإظهار شعائر الإسلام فيها خراب لها!

”مجموعی طور پر مساجد میں نمازوں اور شعائر اسلامیہ کو معطل کر دینا ہی، ان کو ویران کرنا ہے۔“
امام شوکانی اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”والمراد بالسعي في خرابها: ... تعطيلها عن الطاعات التي وضعت لها، فيكون أعم من قوله: أن يذكر فيها اسمه فيشمل جميع ما يمنع من الأمور التي بنيت لها المساجد، كتعلم العلم وتعليمه، والقعود للاعتكاف، وانتظار الصلاة ويجوز أن يراد ما هو أعم من الأمرين.“^۱

”ویرانی کے درپے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جن مقاصد کے لئے مساجد بنائی گئی ہیں، ان کاموں کو وہاں معطل کر دیا جائے۔ یہ صورت اللہ کا نام لینے سے بھی عام تر اور ان تمام امور کو شامل ہے جن کے لئے مساجد بنائی جاتی ہیں، جیسے علم سیکھنا سکھانا، اعتکاف کے لئے بیٹھنا، نماز کا انتظار کرنا، اور ان دونوں امور سے مزید عام صورتیں بھی اس سے مراد لی جاسکتی ہیں۔“

ایک طرف یہ تاریخی حقیقت ہے کہ خیر القرون میں کبھی مساجد کو سنگین ترین متعدی امراض میں بھی بند نہیں کیا گیا، اور مساجد میں کلی طور پر باجماعت نماز کبھی موقوف نہیں کی گئی۔ تاہم بعد کے سالوں میں بعض اوقات قحط یا وبا کی شدت میں اتنا اضافہ ہوا کہ مساجد میں نماز ہونا ممکن نہ رہا، جیسا کہ

① امام شمس الدین ذہبی (۷۴۸ھ) نے عباسی خلیفہ قائم بامر اللہ ابو جعفر عبد اللہ بن قادر باللہ کے حالات میں

۱ تفسیر قرطبی: ۷۷/۲

۲ فتح القدر از امام شوکانی: ۶۱/۶۵۲

لکھا ہے کہ ان کے دور (۳۲۲ھ تا ۴۶۷ھ) میں مصر اور اندلس میں اتنا بڑا قحط پڑا کہ اس سے پہلے کبھی ایسی وبا اور قحط نہیں پھیلی تھی حتیٰ بقیت المساجد مغلقة بلا مُصلِّ یہاں تک اس زمانہ میں مسجدیں نمازیوں سے محروم ہو کر بند ہو گئیں اور اس سال کا نام عام جوع الکبیر رکھا گیا۔^۱

② ۴۳۸ھ کے حالات میں آپ لکھتے ہیں کہ اندلس و باکامرکز تھا، و مات الخلق یا شبیلیہ بحیث ان المساجد بقیت مُغلقة ما لها من یصلي بها۔^۲ شبیلیہ میں بڑی خلقِ خدا فوت ہو گئی، حتیٰ کہ مساجد اس طرح بند ہو گئیں کہ ان میں نماز پڑھنے والا نہ ملتا تھا۔

③ امام ابن جوزی (م ۵۹۷ھ) ۴۳۹ھ کی خطرناک وبا کی نقشہ کشی کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ ساری دنیا اس میں گرفتار ہو گئی، لوگوں میں دہشت کا دور دورہ تھا۔ دیارِ اسلامیہ میں اس بڑی وبا سے بیان سے باہر تباہی ہوئی۔ لوگ آئے روز مرنے لگے: فلا یرون إلا أسواقًا فارغة و طرقات خالية و أبوابا مغلقة، و خلعت أكثر المساجد من الجماعات بازار ویران، راستے اجاڑ اور شہروں کے دروازے بند کر دیے گئے، اکثر مساجد جمعہ اور باجماعت نماز سے خالی ہو گئیں۔

④ اسی طرح حافظ ابن کثیر نے ۶۵۶ھ کے سقوطِ بغداد کا تذکرہ کیا ہے کہ بغداد میں بڑی تباہی آئی، یہاں تک کہ مسجدوں میں جمعہ و جماعت کئی مہینے تک موقوف رہیں۔^۳

⑤ حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) کہتے ہیں کہ ۸۲۷ھ میں پھوٹنے والی وبا کے سبب مکہ میں بہت سی مساجد بند ہو گئیں۔ آپ لکھتے ہیں:

وفي أوائل هذه السنة وقع بمكة وباء عظيم بحيث مات في كل يوم أربعون نفسا، و حصر من مات في ربيع الأول ألفا وسبعمئة، و يقال إن إمام المقام (مقام إبراهيم) وكان أتباع المذهب الشافعي يقيمون عنده صلواتهم) لم يصل معه في تلك الأيام إلا اثنان، وبقية الأئمة بطلوا الصلاة لعدم من يصلي معهم.^۴

”اس سال کے آغاز میں مکہ مکرمہ میں اتنی بڑی وبا پھوٹی کہ ہر دن ۴۰ لوگ مرنے لگے۔ صرف ماہ ربیع الاول میں شہید ہونے والوں کی تعداد ۷۰۰ سے تجاوز کر گئی۔ بتایا جاتا ہے کہ مقامِ ابراہیم، جس

۱ سیر أعلام النبلاء از امام ذہبی: ۳۱۱/۱۸

۲ تاریخ الإسلام از امام ذہبی: سال ۴۳۸ھ کے واقعات کے تحت

۳ البدایة و النہایة از حافظ ابن کثیر: ۲۰۳/۱۳

۴ إنباء العُمَر بآبناء العمر از حافظ ابن حجر: ۸۲۷ھ کے اہم واقعات کے تحت

کے پاس شافعی فقہ کے پیروکار باجماعت نماز ادا کئے کرتے تھے، ان دنوں میں دو سے زیادہ لوگ یہاں نماز نہ پڑھتے۔ جبکہ مکہ مکرمہ کے باقی ائمہ نے نمازیوں کے نہ آنے کی بنا پر باقی مساجد میں باجماعت نماز کو موقوف کر دیا۔“

① اسی طرح مشکل ترین حالات میں ۴۰ سے زیادہ بار حج بھی موقوف ہوا۔ سقوط بغداد (۶۵۶ھ) کے قریبی سالوں میں کم از کم ۱۰ سال مسلسل حج موقوف رہا۔ ۱۸۱۳، ۱۸۳۱، ۱۸۳۷، ۱۸۳۶، ۱۸۵۸، ۱۸۶۳، ۱۸۷۱، ۱۸۹۰ اور ۱۸۹۵ کے سالوں میں متعدد امراض کی بنا پر حج نہیں ہو سکا۔^۱

تو یہاں واضح رہنا چاہیے کہ مساجد کو جبراً بند کرنا اور بربادی و ویرانی کے سبب ان کا از خود بند ہو جانا دو مختلف چیزیں ہیں۔ جب حالات کی سنگینی اس قدر بڑھ جائے تب بھی مساجد کو حکومتی سطح پر بند کرنے کی بجائے، شرعی عذر کی بنا پر نمازوں کو جمع کرنے، مساجد میں نہ آنے کی رخصت اور اس کے اعلان کرنے کی سنت موجود ہے جن میں عزیمت کی افضل صورت یہی ہے کہ مساجد میں آنا بہتر ہے اور مشقت کے باوجود نماز باجماعت پڑھنے کی ہی فضیلت ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزری ہے۔

حکومت کو مشکل قومی حالات میں علمائے کرام اور ماہرین کے مابین حقیقی مشاورت کے ساتھ ہی فیصلے کرنے چاہئیں، اسی سے معاشرے میں اطمینان اور قوت پیدا ہوتی ہے۔ تاہم جب حکومت اپنے طور پر کوئی فیصلہ جاری کر دے، چاہے وہ کسی غلط دباؤ کا نتیجہ ہو تو اس بنا پر مسلمانوں کی عبادت اور نماز میں کوتاہی کا وبال حکومت پر ہی ہو گا۔ عوام میں انتشار پھیلانے کی بجائے تدبیری امور میں اس کو مجبوراً گوارا کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ عرب ممالک کے بعض علمائے کرام نے دو ٹوک حکومتی موقف آنے پر، اپنے سابقہ شرعی موقف کو چھوڑ دیا۔ مدینہ یونیورسٹی کے شیخ الحدیث ڈاکٹر عبدالحسن العباد اللہ لکھتے ہیں:

”میں نے اوائل میں (۲۲ روز قبل) باجماعت نماز پر قائم رہنے کا فتویٰ دیا تھا، کیونکہ صبر و توکل اور نمازوں کی بہترین ادائیگی کے ذریعے ہی سنگین امراض کا سامنا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن

أما إذا حصل منع إقامة الصلوة الجمعة والجماعة في المساجد من الدولة، فلا مجال لإقامة الجمعة في البيوت، فأما الجماعة فإنها تقام في البيوت من الرجل وأولاده ... وهو الذي أفعله أنا وأولادي في بيتي وليس لي وأمثالي من طلبة العلم مخالفة

ما صدر من هيئة كبار العلماء في ذلك ... ۲۵ رجب المرجب ۱۴۴۱ھ / ۲۱ مارچ

”جب حکومت کی طرف سے مساجد میں جمعہ اور جماعت کی نماز ممنوع کر دی گئی ہے تو اب جمعہ تو

^۱ دیکھیے کتابچہ: الحج توقف ۴۰ مرۃ عبر التاريخ، از شیخ ابراہیم محمد، فروری ۲۰۲۰ء

گھروں میں ہو نہیں ہو سکتا اور جماعت گھر میں آدمی اپنی اولاد کے ساتھ پڑھ سکتا ہے۔ اس پر میں اور میری اولاد اپنے گھر میں عمل کر رہے ہیں۔ میرے اور مجھے جیسے طلبہ علم کے لائق نہیں کہ سپریم علما کو نسل کے اس سلسلے میں آنے والے موقوف کی مخالفت کریں۔“

کویت کی وزارت اوقاف نے بھی آغاز میں ہی مساجد میں جمعہ اور جماعت موقوف کر دی، جس پر کویتی عالم شیخ ڈاکٹر عبدالرحمن النخیس... جو اس سے پہلے باجماعت نمازوں پر اصرار کر رہے تھے... نے ۱۵ مارچ ۲۰۲۰ء کو اپنے فتویٰ سے رجوع کر کے، کویتی عوام کو حکومت کا فتویٰ قبول کرنے کی تلقین کی۔

۱۱ فی زمانہ جب حکومت نے انتظامی دفاتر، کریانے کی دکانیں اور منڈیاں، بینک، تمام میڈیا ہاؤسز اور ہسپتال کھلے رکھے تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت اس قدر زیادہ نہیں ہوئی کہ پاکستان میں گورونامرض کے مشکل ترین ایام کے دوران بنیادی شرعی اور انسانی ضروریات کو ہی ترک کر دیا جائے۔

ٹی وی، میڈیا سنٹر، انتظامی ادارے اور سرکاری میٹنگیں تو جاری رہتی ہیں، اسی طرح کھانے پینے کے سامان کی نقل و حرکت کی مجبوری کو تسلیم کرتے ہوئے، ان کے انتظامات کو گوارا کیا جاتا ہے۔ ضروری اشیاء اور کھانے پینے کے سامان کی دکانیں بھی مختصر وقت کے لئے ضروری کھلتی ہیں، تو جب ان تمام چیزوں کی بامر مجبوری گنجائش دی جاتی ہے تو مساجد کو بھی مسلمان کی بنیادی ضرورت سمجھنا چاہیے اور ان میں ضروری احتیاط اور بعض پابندیوں کے ساتھ سلسلہ عبادت کو جاری و ساری رہنا چاہیے۔

مذکورہ بالا وجوہ اور شرعی دلائل کی بنا پر اہل حدیث علمائے کرام نے یہ فتویٰ دیا کہ

”کسی بھی صورت میں اللہ کے بندوں پر اللہ کے گھروں کو بند کرنے کا نہ سوچیں جیسا کہ بعض عرب ممالک میں یہ غلطی سرزد ہو چکی ہے۔ یہ مساجد تو رحمت کے دروازے ہیں اور امیدوں کے مراکز۔ صحابہ کرام اور تابعین وغیرہم کے زمانے میں طاعون اور کثرت اموات جیسے مصائب میں ان کا تعامل مساجد سے لگاؤ اور تمسک تھا، نہ کہ انھیں بند کرنا۔ صحت مند افراد پر مساجد کے دروازے بند کرنا ظلم ہے، جو قطعاً جائز نہیں۔“

فرض نمازوں اور نماز جمعہ کے علاوہ دیگر اوقات میں مقامی حالات کے مطابق امن عامہ اور صحت کے لیے مساجد کو بند کیا جاسکتا ہے اور اس کا جواز موجود ہے، لیکن جبراً مساجد کو کلیتہً بند کروادینا ناجائز اور حرام ہے۔“^۱

اسی بنا پر ۱۸ اپریل ۲۰۲۰ء کو رمضان المبارک ۱۴۴۱ھ سے چند دن قبل، پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے

۱ باغی ٹی وی: ۶۵/ علمائے اہل حدیث کا اعلامیہ: ۱۸/ مارچ ۲۰۲۰ء

نمائندہ علمائے کرام نے مساجد کھلی رکھنے کی مسلسل جدوجہد کی اور آخر کار صدر مملکت ڈاکٹر عارف علوی کے ساتھ ۲۰ نکات پر اتفاق کر کے احتیاطی تدابیر کے ساتھ باجماعت نماز، نماز تراویح، اور جمعہ پر اتفاق کیا جبکہ سحر و افطار کے اجتماعات اور اعتکاف پر پابندی کو قبول کیا۔ اور بعد ازاں وزیر اعظم پاکستان نے یہ اعتراف بھی کیا کہ مساجد میں احتیاطی تدابیر پر عمل کرنے کی وجہ سے کوروناءائرس میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔^۲

ایسے حالات میں وبائی امراض میں مساجد کو کھلی طور پر بند کرنے کی بجائے بہر صورت اذان اور انتظامیہ کے چند افراد کے ساتھ نماز باجماعت کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے۔ مساجد کی انتظامیہ اور نمازیوں کو چاہیے کہ وہ از خود تمام ممکنہ شرعی اور طبی تدابیر اختیار کریں جیسا کہ

- مساجد میں ہر آنے والے کو جراثیم کش محلول سے ہاتھ پاؤں دھونے چاہئیں۔
- مساجد میں سطح زمین اور جائے نماز ایسے ہوں جو کم سے کم جراثیم کو قبول کرنے والے ہوں اور اگر جائے نمازوں کو ہر نماز سے قبل دھویا صاف کر لیا جائے تو یہ احتیاط بھی کرنی چاہیے۔
- ننگے فرش پر نمازیں پڑھی جائیں جس کو ہر دو نمازوں کے بعد دھویا لیا جائے۔
- نمازیوں کو گھر سے وضو کر کے آنے، سنتوں کو گھر میں ادا کرنے
- خطبہ جمعہ کو مختصر کر دینا چاہیے۔
- باجماعت نمازوں کو احادیث کے مطابق مشکل صورت حال میں جمع بھی کیا جاسکتا ہے۔
- نمازیوں کی تعداد اور نماز کے دورانیہ کو مختصر ترین کیا جائے۔
- سنگین حالات میں نمازی ہاتھ ملانے کی بجائے اشارے سے بھی سلام کر سکتے ہیں۔
- ایک دوسرے سے لمبی گفتگو کرنے اور تبلیغی و دعوتی اجتماعات سے بھی گریز کیا جائے۔
- حالات کی سنگینی کے تحت، مختلف علاقوں میں مختلف پالیسیاں بنائی جائیں جیسا کہ حکومت بھی مختلف انتظامی رویے اختیار کرتی ہے۔ جب کسی علاقے میں عام آمد و رفت جاری ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی وہاں اس علاقے کو مجموعی طور پر متاثر نہیں کیا، سو اس کے احکام بھی ویسے ہی ہوں گے۔
- مذکورہ بالا تفصیلات سے علم ہوتا ہے کہ قیامت تک پیش آنے والے جملہ مسائل میں شریعت محمدیہ کی مفصل رہنمائی موجود ہے، جس کی نشاندہی علمائے کرام و قنوقتا کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں ہر مسئلہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی ہدایات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے!!

(ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

1 <https://www.bbc.com/urdu/pakistan-52339656>

2 <https://jang.com.pk/news/779715>



سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر دو اعتراضات اور ان کی حقیقت

پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی عظیمی

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سننے، سمجھنے، یاد کرنے اور اُسے اُمت تک کمی و بیشی کے بغیر پہنچانے میں توفیق الہی سے منفرد مقام پایا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

"حَمَلَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ عَلْمًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، لَمْ يُلْحَقْ فِي كَثْرَتِهِ."^۱
 "انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ، نہایت پاکیزہ، بابرکت علم حاصل کیا۔ اس (علم) کی فراوانی میں کوئی ان تک پہنچ نہیں سکا۔"
 حافظ ذہبی ہی تحریر کرتے ہیں:

"وَأَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِلَيْهِ الْمُنْتَهَى فِي حِفْظِ مَا سَمِعَهُ مِنَ الرَّسُولِ الْكَرِيمِ ﷺ
 وَأَدَاتِهِ بِحُرُوفِهِ."^۲ "ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سنا، اُسے یاد رکھنے اور حرفاً حرفاً یاد کرنے میں انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اہل علم کی ایک بڑی تعداد نے احادیث کو روایت کیا۔ حافظ ذہبی رقم طراز ہیں:

"حَدَّثَ عَنْهُ خَلْقٌ كَثِيرٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ."^۳
 "صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک بہت بڑی تعداد نے ان سے احادیث کو روایت کیا۔"
 امام بخاری رضی اللہ عنہ ان سے روایت کرنے والوں کی تعداد کے متعلق لکھتے ہیں:
 "رَوَى عَنْهُ ثَمَانُ مِائَةٍ أَوْ أَكْثَرَ."^۴
 "ان سے آٹھ سو (اشخاص) یا اس سے زیادہ (لوگوں) نے (حدیث) روایت کی۔"

۱ سیر أعلام النبلاء: ۵۷۹/۲، أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي، مؤسسة الرسالة، بيروت

۲ ایضاً: ۶۱۹/۲

۳ ایضاً: ۵۷۹/۲

۴ ایضاً: ۵۸۶/۲، نیز ملاحظہ ہو: الہدایۃ والنہایۃ: ۱۱/۳۶۳، طبع: بصر

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اُن کی روایت کردہ احادیث کی تعداد کے بارے میں رقم طراز ہیں:
 "مُسْنَدُهُ حَمْسَةُ آلَافٍ وَ ثَلَاثُ مِائَةٍ وَ اَرْبَعَةٌ وَ سَبْعُونَ حَدِيثًا."^۱
 "اُن کی مرویات پانچ ہزار تین سو چوبتر ہیں۔"

ابو ہریرہؓ کے سنتِ نبوی کے انتہائی بیش قیمت اور عالی قدر خزانے کے سننے، سمجھنے، خوب اچھی طرح یاد کرنے اور محفوظ رکھنے اور پھر امت تک بلا کم و کاست پہنچانے کے عظیم الشان کارنامے کے سرانجام دینے پر اُن سے محبت رکھنے اور اُن کی نہایت تکریم کرنے کی بجائے، کچھ لوگ، معاذ اللہ انہیں اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔

دو اعتراضات

- اس سلسلے میں کی گئی گفتگو میں سے دو اعتراضات حسب ذیل ہیں:
- صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت بعد میں آنے کے باوجود کثرتِ روایات
 - اُن کا غیر فقیہ ہونا

پہلا اعتراض: صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بعد میں حاضری کے باوجود کثرتِ روایات

اُن لوگوں کا کہنا ہے کہ ابو ہریرہؓ فتحِ خیبر ۷ھ کے موقع پر صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ۱۱ھ میں ہوئی۔ اس طرح اُن کا صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہنے کا دورانیہ چار سال رہا۔^۲ مزید برآں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ کم و بیش ایک سال کے لیے بحرین بھیجا۔^۳ اس طرح انہیں صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہنے کا موقع صرف تین سال کے لیے میسر آیا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تین سال صحبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں رہنے والے صحابی کی روایات اُن سے کہیں زیادہ ہوں، جو اُن سے زیادہ مدت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے، بلکہ کئی اور مدنی دونوں ادوار میں ساتھ رہے؟

حقیقتِ اعتراض پر کھنے کے لیے چھ باتیں

رَبِّ ذُو الْجَلَالِ جِسْ خُصَّصَ سَعَةً لِيُنَاطِقَ، تُوِيَ اس کام کی توفیق اُسے عطا فرمانا، اُن کے لیے کچھ دشوار

۱ سیر أعلام النبلاء: ۲/۳۳۲

۲ ایضاً: ۲/۵۹۰-۵۹۱

۳ ملاحظہ ہو: فضل الباری از رقم: ص ۷۴، ناشر: دار النور، لاہور

نہیں۔ سنتِ نبوی ﷺ حاصل کرنے اور اسے ادا کرنے کی سعادت سے نوازتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے ایسے حالات، مواقع اور اسباب مہیا فرمائے، جو دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو میسر نہ آئے۔

اسی حوالے سے ذیل میں پانچ نکات کے ضمن میں قدرے تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

① صحبتِ نبوی ﷺ کے لیے وقف ہونا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صحبتِ نبوی ﷺ میں حاضری سے لے کر وفاتِ نبوی ﷺ تک، سوائے سفر بحرین کے دورانیہ کے، اپنے آپ کو سنتِ نبوی ﷺ سننے، دیکھنے، سمجھنے اور یاد کرنے کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ پیٹ بھر کر کھانے کے علاوہ احادیثِ شریفہ کے سوائے کسی چیز میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ علاوہ ازیں پیٹ بھر کر کھانا بھی کم ہی میسر آتا۔ یہ بات دیگر حضراتِ مہاجرین و انصار، حتیٰ کہ امّ المؤمنین عائشہؓ میں بھی نہیں تھی۔^۱

② سمجھنے کی خاطر سوال کی جرات اور حسنِ سلیقہ میں انفرادیت: ابوہریرہؓ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں سوال کرنے میں زیادہ حریص، جری اور بے باک تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سوال کرنے کا عمدہ سلیقہ بھی خوب عطا کر رکھا تھا۔^۲

③ عدیم النظیر اور بے مثال حافظہ: احادیث کے یاد رکھنے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں کہیں زیادہ اور مضبوط یادداشت والے تھے۔ اس یادداشت میں اُن کے لیے مدد و معاون باتوں میں سے اُن کی اس مقصد کے لیے یک سوئی، شدید توجہ، انتہائی دھیان اور سب سے بڑھ کر اس سلسلے میں آنحضرت ﷺ کی اُن کے لیے دعا اور بشارت تھی۔^۳

سیدنا طلحہ اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہم کے بیانات

اس سب کچھ کی تاکید کی خاطر ذیل میں دو حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیانات ملاحظہ فرمائیے:

الف: امام حاکم نے ابوانس مالک بن ابوعامر سے روایت کیا، کہ انہوں نے بیان کیا:

”میں طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، تو اُن کے ہاں ایک شخص آ آیا اور کہنے لگا:

۱ ملاحظہ ہو: فضل الباری ازراقم: ص ۲۳۹-۲۴۵

۲ فضل الباری: ۲۳۵-۲۳۶

۳ فضل الباری: ۲۳۶-۲۵۱

"یا ابا محمد! ما ندری هذا الیائی اعلّم برَسُولِ اللَّهِ ﷺ أم أنتم؟ تقول علی رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ما لم یقل یعنی ابا ہریرہ رضی اللہ عنہ۔"

"اے ابو محمد! ہم نہیں جانتے، کہ یہ یعنی رسول اللہ ﷺ کو زیادہ جانتا ہے یا آپ؟ اُس نے رسول اللہ ﷺ کی جانب وہ کچھ منسوب کر کے بیان کیا ہے، جو کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں تھا۔"

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"وَاللّٰهُ! مَا يَشْكُ اَنَّهُ سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَا لَمْ نَسْمَعْ، وَ عَلِمَ مَا لَمْ نَعْلَمَ. اِنَّا كُنَّا قَوْمًا اَغْيَاءَ، لَنَا بَيُوتٌ، وَ اَهْلُوْنَ. كُنَّا نَأْتِي نَبِيَّ اللَّهِ ﷺ طَرَفِي النَّهَارِ، ثُمَّ تَرْجِعُ."

وَ كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ مَسْكِينًا، لَا مَالَ لَهُ وَ لَا اَهْلَ، وَ لَا وَكْدَ. اِنَّمَا كَانَتْ يَدُهُ مَعَ يَدِ النَّبِيِّ ﷺ. وَ كَانَ يَدُوْرُ مَعَهُ حَيْثُ مَا دَارَ. وَ لَا نَشْكُ اَنَّهُ قَدْ عَلِمَ مَا لَمْ نَعْلَمَ، وَ سَمِعَ مَا لَمْ نَسْمَعْ."

وَ لَمْ يَتَّهَمُهُ اَحَدٌ مِّنَّا اَنَّهُ يَقُوْلُ عَلٰی رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَا لَمْ يَقُلْ."

"اللہ تعالیٰ کی قسم! اس میں شک نہیں، کہ بلاشبہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے وہ کچھ سنا ہے، جو ہم نے نہیں سنا تھا اور انہیں وہ کچھ معلوم ہوا، جس کا ہمیں علم نہیں تھا۔ بے شک ہم مال دار (لوگ) تھے۔ ہمارے گھر اور کنبے تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کے حضور دن کے دونوں کناروں میں حاضر ہوتے، پھر واپس چلے جاتے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مسکین شخص تھے۔ نہ ان کا مال تھا، نہ کنبہ اور نہ اولاد۔ ان کا ہاتھ نبی کریم ﷺ کے ہاتھ (مبارک) کے ساتھ تھا۔ جہاں کہیں آنحضرت ﷺ تشریف لے جاتے، وہ بھی ساتھ ہی جاتے۔ ہمیں اس بارے میں کوئی شک نہیں، کہ یقیناً انہوں نے وہ کچھ جانا، جس کا ہمیں علم نہیں ہوا تھا اور انہوں نے وہ کچھ سنا، جو ہم نے نہیں سنا تھا۔ ہم میں سے کسی ایک نے بھی ان پر یہ تہمت نہیں باندھی، کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی طرف وہ کچھ منسوب

۱ المستدرک کے مطبوعہ نسخہ میں وَ كَانَ اَبَا هُرَيْرَةَ... ہے، البتہ 'تلخیص' میں وَ كَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ... ہے۔ تلخیص کی عبارت ہی درست معلوم ہوتی ہے، کیونکہ أَبُو هُرَيْرَةَ اس عبارت میں اسم کان ہے اور وہ مرفوع ہوتا ہے اور حالت رفع میں أَبُو هُرَيْرَةَ پڑھا جاتا ہے، نہ کہ اَبَا هُرَيْرَةَ، واللہ اعلم!

۲ المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابة: ۳/ ۵۱۱-۵۱۲ امام حاکم نے صحیحین کی شرط پر صحیح اور حافظ ذہبی نے امام مسلم کی شرط پر قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: المرجع السابق: ۳/ ۵۱۲؛ التلخیص الحبیر: ۳/ ۵۱۲)

کیا، جو آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں تھا۔“

ب: امام احمد نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، کہ وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، وہ نبی کریم ﷺ سے حدیث روایت کر رہے تھے، کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص جنازے کے پیچھے چلا اور اُس پر نماز پڑھی، تو اُس کے لیے ایک قیراط (کے برابر اجر و ثواب) ہے۔ اگر وہ اُس کے دفن میں (بھی) حاضر ہوا، تو اُس کے لیے دو قیراط ہیں اور (ایک) قیراط احد (پہاڑ) سے زیادہ بڑا ہے۔“

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: ابو ہریرہ! دیکھو رسول اللہ ﷺ سے کیا بیان کر رہے ہو!!“

ابو ہریرہ نے انہیں ہمراہ لے کر عائشہؓ کے پاس چلے گئے۔ اُن سے عرض کیا:

”اے اُمّ المؤمنین! میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ”جو شخص جنازے کے پیچھے چلا اور اُس پر نماز پڑھی، تو اُس کے لیے ایک قیراط ہے۔ اگر اُس کی تدفین کے موقع پر حاضر ہوا، تو اُس کے لیے دو قیراط ہیں؟“

انہوں نے جواب دیا: ”اللہ کی قسم! ہاں (یعنی میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا)۔“

تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

”إِنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَسْغَلْنِي عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ غَرَسُ الْوَدِيِّ، وَلَا صَفْقُ مِبَالِ السَّوَابِقِ. إِنَّمَا كُنْتُ أَطْلُبُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَلِمَةً يَعْلَمُهَا أَوْ أَكَلَّةٌ يُطْعَمُ بِهَا.“

”بے شک بات یہ ہے، کہ مجھ کو کے پودوں کی کاشت اور بازاروں کا شور مجھے رسول اللہ ﷺ سے مشغول نہیں کرتا تھا۔ بلاشبہ میں تو رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی طلب میں رہتا تھا، کہ وہ مجھے کوئی بات (یعنی حدیث) سکھلا دیں یا کھانا کھلا دیں۔“

ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اُن سے کہا:

”يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! كُنْتَ أَلْزَمْنَا لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَأَعْلَمْنَا بِحَدِيثِهِ.“

۱ ایک نسخہ میں ’ابو ہریرہ‘ بھی ہے۔ (ملاحظہ ہو: حاشیہ المسند، حاشیہ نمبر ۳، ۸/۲۰)

۲ المسند: رقم الحدیث ۳۴۵۳، ۲۰-۲۱۔ شیخ ارناؤوط اور ان کے رفقاء نے اس کی سند کو صحیح مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا۔ (ملاحظہ ہو: حاشیہ المسند ۲۱/۸)۔ حدیث کے صرف آخری حصے: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! كُنْتَ أَلْزَمْنَا... کے لیے ملاحظہ ہو: جامع الترمذی، أبواب المناقب، مناقب أبي هريرة: ۲۰۸۹، ۲۲۶/۱۰، وصحیح سنن الترمذی ۲۳۵/۳

”اے ابو ہریرہ! آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہم سے زیادہ چٹنے والے اور ان کی حدیث ہم سے زیادہ جاننے والے تھے۔“

۴) احادیث کی دہرائی کے لیے ایک تہائی رات کا مخصوص کرنا: ابو ہریرہؓ خود بیان کرتے ہیں:

”إِنِّي لَأَجْزِي اللَّيْلَ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ: فُثُلْتُ أَنَا، وَ ثُلْتُ أَقْوَمَ، وَ ثُلْتُ أَتَدَكَّرُ أَحَادِيثَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ.“^۱

”بے شک میں رات کو تین حصوں میں تقسیم کرتا ہوں: سو ایک تہائی میں سوتا ہوں، ایک تہائی قیام کرتا ہوں اور ایک تہائی رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو دہراتا ہوں۔“

۵) احادیث پہنچانے کے مواقع میسر آنے میں انفرادیت: رب کریم نے حضرت ابو ہریرہؓ کے لیے احادیث پہنچانے، سکھانے اور بیان کرنے کے لیے ایسے مواقع اور حالات مہیا فرمائے، جو احادیث کا علم رکھنے والے دیگر صحابہؓ کو کم ہی میسر آئے۔ انہی باتوں میں سے تین حسب ذیل ہیں:

۱: انتظامی ذمہ داریوں سے غالباً آزادی: آنحضرت ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ کی اسلامی ریاست کی ہر قسم کی چھوٹی بڑی انتظامی ذمہ داریوں سے غالباً آزاد رہے۔ اس لیے انہیں یاد کی ہوئی احادیث بیان کرنے کا خوب موقع میسر آیا۔

ب: وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد عموماً مدینہ طیبہ میں قیام: آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد انہیں عموماً مدینہ طیبہ ٹھہرنے اور سکونت اختیار کرنے کا موقع میسر آیا اور مدینہ طیبہ ان مقامات میں سرفہرست تھا، جہاں احادیث کے طلبہ اس وقت رخ کیا کرتے تھے۔

امام بخاریؒ نے بیان کیا:

”رَوَى عَنْهُ نَحْوُ مِائَتَيْنِ مِائَةٍ رَجُلٍ أَوْ أَكْثَرَ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَ التَّابِعِينَ وَ غَيْرِهِمْ.“^۲

”اہل علم صحابہ و تابعین اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں میں سے قریباً آٹھ سو یا اس سے زیادہ افراد نے ان

۱ سنن الدارمی، باب العمل بالعلم وحسن النية فيه، رقم الحدیث: ۲۷۰، ۱/۷۱ نیز ملاحظہ ہو: موسوعۃ

فقہ زید بن ثابت وأبي هريرة: ص ۱۱

۲ تہذیب التہذیب: ۱۲/۲۶۵

سے (حدیث) روایت کی۔“

ج: وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد طویل عمر: وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد لمبی عمر پائی۔ انہیں وفاتِ نبوی ﷺ کے بعد ۳۶ یا ۴۲ یا ۴۸ سال تک احادیث بیان کرنے کی سعادت رب کریم کی عنایت سے حاصل ہوئی۔

۱ اعداد و شمار اور حقائق: اس شبہ کی اعداد و شمار اور حقائق کی روشنی میں تردید کی غرض سے درج ذیل پانچ باتوں پر غور فرمانے کی التماس ہے:

ا: احادیث کو صحبتِ نبوی ﷺ کے ایام پر تقسیم سے تعجب کا خاتمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث کی تعداد ۴۷۵۳ ہے۔ انہوں نے یہ احادیث توفیقِ الہی کے ساتھ شب و روز کی صحبت، شدید توجہ، مکمل دھیان، کامل یکسوئی اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ غیر معمولی قوتِ یادداشت سے حاصل کیں۔ وہ صحبتِ نبوی ﷺ میں تین سال رہے۔ عربی تین سالوں کے دن ۱۰۶۵ بنتے ہیں۔ اگر ان کی احادیث کو ان کے صحبتِ نبوی ﷺ کے ایام پر تقسیم کیا جائے، تو ہر دن کے حصے میں 5.046 حدیثیں آتی ہیں۔ کیا حضرت ابو ہریرہؓ ایسے حالات والے شخص کا روزانہ پانچ یا سو پانچ احادیث یاد کرنا ممکن ہے؟

ب: صحبتِ نبوی ﷺ کے زمانے میں بھرپور قوت اور جوانی: ابو ہریرہؓ کی صحبتِ نبوی ﷺ میں حاضری کے وقت عمر ۲۶ یا ۲۷ یا ۲۸ سال تھی۔^۳

قابلِ غور سوال یہ ہے، کہ کیا ۲۶ یا ۲۷ یا ۲۸ سالہ نوجوان کے لیے، جو ہر قسم کی مشغولیتوں سے دُور اور بے نیاز احادیث سننے، سمجھنے اور یاد کرنے میں مگن ہو، ہر روز ۵ احادیث حاصل کر کے یاد کرنا اور پھر من و عن روایت کرنا کوئی غیر ممکن بات ہے؟ $1065 = 3 \times 355$

نو، دس سالہ غیر عربی بچے تین تین، بلکہ دو دو سالوں میں، مکمل قرآن کریم یاد کر کے رمضان المبارک کی

۱ ملاحظہ ہو: سیرِ اعلام النبلاء: ۶۳۲/۲

۲ ۳ قمری سالوں کے دن $1065 = 3 \times 355$

۳ ان کی وفات ۵۸۱ یا ۵۹۱ھ میں اٹھتر سال کی عمر میں ہوئی۔ (ملاحظہ ہو: تقریب التہذیب، رقم الترجمة ۸۴۲۶، ص ۶۸۰-۶۸۱) اگر وفات ۵۵ھ میں ہوئی، تو بوقتِ ہجرت عمر ۲۱ سال اور غزوہٴ خیبر ۷۷ھ کے موقع پر ۲۸ سال، ۵۸ھ میں وفات کی صورت میں بوقتِ ہجرت ۲۰ سال اور غزوہٴ خیبر کے موقع پر عمر ۲۷ سال اور ۵۹ھ میں وفات کی صورت میں بوقتِ ہجرت ۱۹ سال کے اور غزوہٴ خیبر کے موقع پر ۲۶ سال کے ہوں گے۔

تراویح میں امامت کروا کر سنا دیتے ہیں، تو حضرت ابو ہریرہؓ ایسے موافق اور سازگار ماحول اور اسباب والے، نیز دعائے نبوی ﷺ کے حامل شخص کے لیے توفیق الہی سے اتنی احادیث کا یاد کرنا اور روایت کرنا، کیونکر ناممکن ہو سکتا ہے؟

ج: مکرر احادیث کے حذف سے تعداد میں نمایاں کمی: مزید برآں حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث میں مکرر احادیث بھی ہیں۔ یہ تکرار اس حدیث کی جُدا جُدا سندوں کی بنا پر پیدا ہوا ہے۔ ایک سے زیادہ سندوں والی حدیث کو متن کے اعتبار سے ایک حدیث نہیں، بلکہ سندوں کی گنتی کے بقدر شمار کیا گیا ہے۔ اگر اس وجہ سے ہونے والے تکرار کو ختم کیا جائے، تو احادیث کی تعداد کافی کم ہو جاتی ہے۔

مثال کے طور پر مسند امام احمد میں ابو ہریرہؓ کی احادیث کی تعداد ۳۸۶۶ ہے۔^۱
پروفیسر ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمن لکھتے ہیں:

”مسند امام احمد اور حدیث کی چھ کتابوں: بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ میں تکرار کے بغیر ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث صرف ۱۳۳۶ ہیں۔ علاوہ ازیں مستدرک حاکم، سنن بیہقی، (سنن) دارقطنی، مصنف عبدالرزاق اور حدیث کی دیگر کتابوں میں بھی اُن کی احادیث ہیں، لیکن میں جزم و یقین کے ساتھ کہتا ہوں، کہ (تکرار کے بغیر) اُن کی زیادہ سے زیادہ تعداد دو ہزار سے زائد نہیں۔ اگر اس تعداد کو صحبتِ نبوی ﷺ میں رہنے والے دنوں کے ساتھ تقسیم کیا جائے، تو ہر روز کی زیادہ سے زیادہ دو حدیثیں بنتی ہیں۔“

د: غیر ثابت شدہ احادیث منہا کرنے سے تعداد میں مزید کمی: مزید برآں اس تعداد میں صحیح احادیث کے ساتھ ایسی احادیث بھی ہیں، جن کا ابو ہریرہؓ کی روایات ہونا ثابت نہیں۔ ان کے الگ کرنے سے تعداد مزید کم ہوگی۔^۲

ہ: بعض احادیث کا نہایت مختصر ہونا: یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے، کہ اُن کی احادیث میں ایک بڑی تعداد اتنی

۱ المسند (ط: الرسالۃ) میں ابو ہریرہؓ کی احادیث ۷۱۹ سے شروع ہو کر ۱۰۹۸۳ تک ہیں۔ اس طرح ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۳۸۶۶ بنتی ہے۔ (ملاحظہ ہو: المسند: ۱۲/۱۳، ۱۶، ۵۸۰)۔ نیز ملاحظہ ہو: رقم السطور کی کتاب ”لشکرِ اسامہؓ کی روایتی دروس اور عبرتیں“؛ ص ۱۰۰

۲ ملاحظہ ہو: أبو ہریرۃ فی ضوء مروایاتہ: ص ۷۶-۷۷

مختصر احادیث کی ہے، کہ وہ دو، دو سطروں سے بھی کم ہیں۔ کیا اس سب کچھ کے بعد ابو ہریرہؓ پر کثرت احادیث کی بنا پر اپنی قلم کو تنقید کی خاطر حرکت دینا مناسب ہے؟

دوسرا اعتراض: سیدنا ابو ہریرہؓ کا غیر فقیہ ہونا

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ کی بعض روایات قیاس کے خلاف ہیں اور وہ خود غیر فقیہ تھے۔ لہذا ان کی ایسی احادیث کو رد کر دیا جائے گا۔

اس سلسلے میں انہوں نے 'حدیث مصر' کو بطور مثال پیش کیا ہے۔ وہ حدیث حسب ذیل ہے:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا، کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا:

«لَا تُصَرُّوا الْإِبِلَ وَالْغَنَمَ. فَمَنْ ابْتَاعَهَا بَعْدُ، فَإِنَّهُ بِخَيْرِ النَّظَرَيْنِ بَعْدَ أَنْ يَخْتَابَهَا: إِنْ شَاءَ أَمْسَكَ، وَإِنْ شَاءَ رَدَّهَا وَصَاعٌ تَمْرٍ»^۱

”اونٹنی اور بکری (کے دودھ) کو نہ روکو۔ جس شخص نے اُس (کے روکنے) کے بعد اُسے خریدا، تو یقیناً وہ اُس کا دودھ دوہنے کے بعد، دونوں میں سے بہتر رائے والا ہے (یعنی اُسے حق ہے، کہ دونوں باتوں میں سے جسے چاہے، اختیار کر لے): اگر چاہے، تو اُسے (اپنے ہاں ہی) رہنے دے اور اگر چاہے، تو اُسے واپس کر دے اور ایک صاع^۲ کھجور (بھی دے)۔“

۱ ملاحظہ ہو: نور الأنوار شرح رسالة المنار: ص ۱۸۲-۱۸۴؛ وأصول الشاشي: ص ۷۵-۷۶
 ۲ متفق عليه: صحيح البخاري، كتاب البيوع، باب النهي للبتاع أن لا يحفل الإبل والبقر والغنم وكل محفلة: ۲۱۴۸، ۳۶۱/۴؛ صحيح مسلم، كتاب البيوع، باب حكم بيع المصرة، ۲۳- (۱۵۲۴)، ۱۱۵۸/۳، الفاظ حدیث صحیح البخاری کے ہیں۔

۳ ایک صاع: کم و بیش اڑھائی کلو
 ان کی رائے میں ظلم و زیادتی کا بدلہ... جہاں ممکن ہو حقیقی طور پر ہم مثل ہونا چاہیے۔ جہاں ایسا کرنا ممکن نہ ہو، تو معنوی طور پر ہم مثل ہونا چاہیے، یعنی اس کے مساوی قیمت ہو۔ حالانکہ دودھ روکے ہوئے جانور کے... تین دن تک مشتری کے... دوہے ہوئے دودھ کا بدلہ ہمیشہ ایک صاع کھجور نہ تو حقیقی طور پر ہم مثل ہے اور نہ معنوی طور پر (ملاحظہ ہو: أحسن الحواشي: ص ۷۶، ہا مش ۱)
 تبصرہ: ... ظلم و زیادتی کا بدلہ وہ ہو گا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بدلے کے تعین کے بعد کسی امتی کے لیے گنجائش رہتی ہے، کہ وہ کہے، کہ اس کا بدلہ (پوں یوں) ہونا ضروری ہے؟

حقیقت اعتراض پر کھنے کے لیے سات باتیں

اعتراض کی حقیقت سمجھنے کی غرض سے توفیق الہی کے ساتھ حسب ذیل سات پہلوؤں سے غور کرتے ہیں:

① نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا غیر مشروط ہونا: قرآن و سنت حتمی طور پر یہ بات واضح کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت قطعی طور پر غیر مشروط ہے۔ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین کے اقوال و اعمال بھی اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔ ذیل میں چند ایک باتیں بطور مثال ملاحظہ فرمائیے:

ا: ارشادِ ربانی: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ۷)

”اور جو کچھ تمہیں رسول ﷺ دیں، تو اُسے تھام لو اور جس چیز سے تمہیں روکیں، تو اُس سے باز آ جاؤ۔“

ب: آنحضرت ﷺ کے (حکم) کے بعد، اُس کی (تعمیل) اور (نہی) کے بعد، اُس سے (اجتناب) کے علاوہ،

امت کے پاس کوئی اختیار نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (الأحزاب: ۳۶)

”اور بے شک کبھی، کسی ایمان دار مرد کا حق نہیں اور نہ کسی ایمان والی عورت کا، کہ جب اللہ تعالیٰ اور

اُن کے رسول ﷺ کسی کام کا فیصلہ کر دیں، کہ اُن کے لیے، اس معاملے میں اختیار ہو۔“

ج: ارشادِ نبوی ﷺ: «مَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَخُذُوهُ، وَمَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا.»^۱

”جس چیز کا میں تمہیں حکم دوں، تم اُسے تھام لو اور جس چیز سے میں تمہیں منع کروں، سو تم اس سے

باز آ جاؤ۔“

د: علامہ ابن سمانی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”مَنْ تَبَتَ الْخَبْرُ صَارَ أَصْلًا مِنَ الْأَصُولِ، وَلَا يَجْتَازُ إِلَى عَرْضِهِ عَلَى أَصْلِ آخَرَ، لِأَنَّهُ إِنْ وَاقَفَهُ فَذَلِكَ. وَإِنْ خَالَفَهُ فَلَا يَجُوزُ رَدُّ أَحَدِهِمَا، لِأَنَّهُ رَدُّ لَلْخَبَرِ بِالْقِيَاسِ،

۱ سنن ابن ماجہ، أبواب السنة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، رقم الحدیث ۱، ص ۴۳ عن أبي هريرة رضي الله عنه (ط: دار الصديق) - فتح الباني، فتح جانا اور فتح عصام نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: صحیح سنن ابن ماجہ:

۱/ ۵۰ و إنجاز الحاجة: ۱/ ۱۰۹؛ و هامش السنن: ص ۴۳)

وَهُوَ مَرْدُودٌ بِاتِّفَاقٍ، فَإِنَّ السُّنَّةَ الثَّابِتَةَ مُقَدَّمَةٌ عَلَى الْقِيَاسِ بِلَا خِلَافٍ." ۱
 ”جب حدیث ثابت ہو جائے، تو وہ (دین کی) بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے اور اُسے کسی اور بنیاد پر
 پیش کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اگر وہ (حدیث) اُس کے موافق ہوئی، تو پھر تو (بات) ٹھیک ہے اور
 اگر اس کے مخالف ہوئی، تو پھر اُن میں سے ایک کارڈ کرنا درست نہیں، کیونکہ اس طرح قیاس کے
 ساتھ حدیث کارڈ کرنا ہے اور اس (یعنی قیاس) کے مردود ہونے پر اجماع ہے، کیونکہ اس میں کوئی
 اختلاف نہیں، کہ سنت ثابتہ قیاس پر مقدم ۲ ہے۔“

۲ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی اس حدیث کو روایت کرنا:

۱: اس حدیث کے روایت کرنے میں حضرت ابو ہریرہؓ صحابہ میں سے منفرد اور تنہا نہیں۔ دیگر حضرات

صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اسے روایت کیا ہے:

امام ابو داؤد نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حوالے سے

امام طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کے حوالے سے ایک دوسری سند کے ساتھ

امام ابویعلیٰ نے انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے

امام بیہقی نے عمرو بن عوف مزی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے

اور امام احمد نے صحابہ میں سے ایک شخص کے حوالے سے اسے روایت کیا ہے۔ ۳

ب: حافظ ابن عبد البر تحریر کرتے ہیں:

"هَذَا الْحَدِيثُ مُجْمَعٌ عَلَى صِحَّتِهِ وَثُبُوتِهِ مِنْ جِهَةِ النَّقْلِ، وَاعْتَلَّ مَنْ لَمْ يَأْخُذْ بِهِ
 بِأَشْيَاءَ لَا حَقِيقَةَ لَهَا." ۴

”روایت کے اعتبار سے اس حدیث کی صحت اور ثبوت پر اجماع ہے۔ اسے نہ لینے (یعنی نہ ماننے)

والوں نے باتیں بنائی ہیں، جن کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔“

تو کیا ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایت کردہ حدیث کو بھی... معاذ اللہ... انہیں غیر فقیہ کہہ کر رد کیا جائے گا؟

۱ منقول از فتح الباری: ۴ / ۳۶۶

۲ یعنی حدیث اور قیاس میں ٹکراؤ کی صورت میں حدیث کو لیا جائے گا اور قیاس کو چھوڑا جائے گا۔

۳ فتح الباری: ۴ / ۳۶۵

۴ ایضاً: ۴ / ۳۶۵

۳ اس حدیث کے مطابق ابن مسعودؓ کا فتویٰ

امام بخاری نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت کیا، کہ انہوں نے فرمایا:
 "مَنْ اشْتَرَى شَاةً مُحَمَّلَةً فَرَدَّهَا، فَلْيُرَدِّ مَعَهَا صَاعًا مِنْ تَمْرٍ."^۱
 "جس شخص نے (دودھ) روکی ہوئی بکری خریدی، تو اُسے واپس کر دیا، تو اُسے چاہیے، کہ اُس کے ساتھ
 ایک صاع کھجوریں بھی دے۔"

حضرت ابن مسعودؓ نے، جن کے بلند پایہ فقیہ ہونے کی شہادت کبار صحابہؓ نے دی ہے، اسی
 حدیث کے مطابق فتویٰ دیا ہے، جسے بعض لوگ (راوی ابو ہریرہؓ غیر فقیہ) کہہ کرماننے سے انکار کر رہے ہیں۔
 ڈاکٹر محمد رؤف اس قلعہ جی لکھتے ہیں:

"بِمَا لَا شَكَّ فِيهِ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا كَانَ فَقِيهًا مِّنَ الطَّرَازِ
 الْأَوَّلِ، شَهِدَ لَهُ كِبَارُ الصَّحَابَةِ وَعُلَمَاءُؤُهُمْ."^۲
 "اس بات میں کوئی شک نہیں، کہ بلاشبہ عبد اللہ بن مسعود صفِ اوّل کے فقیہ تھے۔ اُن کے متعلق
 (یہ) گواہی کبار صحابہؓ اور اُن کے علما نے دی ہے۔"

امام شعبی نے اُن کے بارے میں بیان کیا:

"لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ مِّنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ ﷺ أَفْقَهَ أَصْحَابًا مِّنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ."^۳
 "محمد کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے کسی کے شاگرد عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے
 بڑے فقیہ نہیں تھے۔"

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی فقہ، بلکہ فقہ اہل عراق کی عموماً حضرت ابن مسعودؓ کی فقہ سے فیض یابی،
 کے متعلق ڈاکٹر قلعہ جی لکھتے ہیں:

"نَرَى أَنْ فِقْهَ أَبِي حَنِيفَةَ... بَلْ فِقْهَ الْعِرَاقِ جُمْلَةً... يَعُودُ فِي أَصُولِهِ إِلَى فِقْهِ عَبْدِ اللَّهِ
 بْنِ مَسْعُودٍ، فَهُوَ الْعَمِيدُ الْأَوَّلُ لِلْمَدْرَسَةِ، وَغَارَسَ الْبُدُورَ الْأُولَى فِيهَا."^۴

۱ صحیح البخاری، کتاب البیوع، باب النهی للبائع أن لا یحفل الإبل...، جزء من رقم الروایة ۲۱۴۹،
 ۳۶۱/۴

۲ ملاحظہ ہو: مؤسوعہ فقہ عبد اللہ بن مسعود: ص ۲۴

۳ المصنف للإمام عبدالرزاق، کتاب الفرائض، باب فرض الجلد، جزء من الروایة ۱۹۰۶۶، ۱۰/۲۶۹

۴ مؤسوعہ فقہ عبد اللہ بن مسعود: ص ۲۶

”ہم دیکھتے ہیں، کہ فقہ ابی حنیفہ رضی اللہ عنہ بلکہ فقہ عراق عمومی طور پر... اپنے اصول (وضوابط) کے اعتبار سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی فقہ کی طرف لوٹتی ہے۔ وہ ہی اس مدرسہ کے سربراہِ اوّل ہیں اور انہوں نے اس کے ابتدائی بیج بوئے۔“

غور طلب بات یہ ہے کہ اس بارے میں عظیم فقیہ صحابی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا طرزِ عمل درست ہے یا ان لوگوں کا؟

امام بخاری پر بھی اللہ تعالیٰ کی ان گنت رحمتیں ہوں کہ انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متصل بعد، اسی باب میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فتویٰ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”أورد البخاريُّ حديثَ ابنِ مسعودٍ عقبَ حديثِ أبي هُرَيْرَةَ إِشَارَةً مِنْهُ إِلَى أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ قَدْ أَقْنَى بِوَفْقِ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ. فَلَوْلَا أَنَّ خَبَرَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي ذَلِكَ ثَابِتٌ لَمَا خَالَفَ ابْنُ مَسْعُودٍ الْقِيَاسَ الْجُلِّيَّ فِي ذَلِكَ.“

”(امام) بخاری ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد ابن مسعود کی حدیث اپنی جانب سے یہ اشارہ کرنے کی خاطر لائے ہیں، کہ ابن مسعود نے ابو ہریرہ کی حدیث کے مطابق فتویٰ دیا۔ اگر اس بارے میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ثابت نہ ہوتی، تو اس بارے میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ (قیاسِ جلی) کو نہ چھوڑتے۔“

۲ صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ کرام کا ان کی دیگر بظاہر خلافِ قیاس احادیث پر عمل: حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

”وَقَدْ عَمِلَ الصَّحَابَةُ وَ مَنْ بَعْدَهُمْ بِحَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي مَسَائِلَ كَثِيرَةٍ مُخَالَفُ الْقِيَاسِ، كَمَا عَمِلُوا كُلُّهُمْ بِحَدِيثِهِ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، أَنَّهُ قَالَ: «لَا تُنْكِحُ الْمَرْأَةَ عَلَى عَمَّتِهَا، وَلَا خَالَتِهَا».^۲

”بے شک صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد والے (اہل علم و فضل) لوگوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خلافِ قیاس احادیث پر بہت زیادہ مسائل میں عمل کیا، جیسے کہ ان سب لوگوں نے ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ حدیث پر عمل کیا، کہ بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱ فتح الباری: ۴/۳۶۵

۲ اسے حضراتِ ائمہ مالک، بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: الموطأ، کتاب النکاح، باب ما لا یجمع بینہ من النساء، رقم الحدیث ۲۰، ۲/۵۳۲؛ وصحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا تنکح المرأة علی خالتہا، ۱۶۰/۹؛ وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب تحريم الجمع بين المرأة وعمتها أو خالتها في النکاح، رقم الحدیث ۳۳- (۱۴۰۸)، ۲/۱۰۲۸)؛ سیر اعلام النبلاء: ۲/۶۲۰

”عورت کا نکاح نہ اُس کی پھوپھی اور نہ اُس کی خالہ پر کیا جائے۔“

حافظ ذہبی مزید رقم طراز ہیں:

”وَعَمَلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَ الشَّافِعِيِّ وَغَيْرُهُمَا بِحَدِيثِهِ: "أَنَّ مَنْ أَكَلَ نَاسِيًا فَلَيْتَمَ صَوْمُهُ." مَعَ أَنَّ الْقِيَّاسَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ: أَنَّهُ يَفْطِرُ، فَتَرَكَ الْقِيَّاسَ لِخَيْرِ أَبِي هُرَيْرَةَ."

”(امام) ابو حنیفہ اور (امام) شافعی اور ان کے علاوہ دیگر (ائمہ) نے ان کی (درج ذیل) حدیث پر عمل کیا: ”بے شک جس شخص نے بھول کر کھا لیا، سو وہ اپنا روزہ مکمل کرے۔“

اگرچہ (امام) ابو حنیفہ کے نزدیک قیاس یقیناً یہ ہے، کہ وہ روزہ کھول دے۔ انہوں نے ابو ہریرہؓ کی حدیث کی بنا پر قیاس کو چھوڑ دیا۔“

”وَ هَذَا مَالِكٌ عَمِلَ بِحَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي غَسْلِ الْإِنَاءِ سَبْعًا مِّنْ وَلُوغِ الْكَلْبِ. ۲

مَعَ أَنَّ الْقِيَّاسَ عِنْدَهُ أَنْ لَا يُغَسَّلَ لِطَهَارَتِهِ عِنْدَهُ." ۳

”اور یہ کہ (امام) مالک، نے (کتے کے برتن میں منہ ڈالنے پر اُسے سات دفعہ دھونے) کے بارے میں ابو ہریرہؓ کی حدیث پر عمل کیا، اگرچہ ان کے نزدیک قیاس یہ ہے: کہ (برتن میں کتے کے منہ ڈالنے کے باوجود) اس کے پاک ہونے کی بنا پر اُسے دھویا نہ جائے۔“

”بَلْ قَدْ تَرَكَ أَبُو حَنِيفَةَ الْقِيَّاسَ لِمَا هُوَ دُونَ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي مَسْأَلَةِ الْقَهْقَهَةِ؛ لِذَلِكَ خَيْرَ الْمُرْسَلِ." ۳

۱ اس معنی کی حدیث امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کی ہے۔ ملاحظہ ہو: صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب

الصائم إذا أكل أو شرب ناسيًّا، رقم الحدیث ۱۹۳۳، ۴/ ۱۵۵؛ و صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب

أكل الناصي وشربه وجماعه لا يفطر، رقم الحدیث ۱۷۱- (۱۱۵۵)، ۲/ ۸۰۹

۲ حضرات ائمہ مالک، بخاری اور مسلم نے اسے روایت کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: الموطأ، کتاب الطهارة، باب جامع الوضوء،

رقم الحدیث ۳۵، ۱/ ۳۴؛ و صحیح البخاری، کتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان،

رقم الحدیث ۱۷۲، ۱/ ۲۷۴؛ و صحیح مسلم، کتاب الطهارة، باب حكم ولوغ الكلب، رقم الحدیث

۸۹- (۲۷۹)، ۱/ ۲۳۴

۳ اس روایت کو ابو العالیہ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا اور وہ تابعی ہیں۔ اسی لیے یہ روایت مرسل ہے۔ روایت کا خلاصہ یہ

ہے، کہ آنحضرت ﷺ نماز پڑھا رہے تھے، کہ ایک نابینا شخص آیا اور کنویں میں گر گیا۔ بعض صحابہ ہنسنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ

نے نماز سے فارغ ہونے پر ہنسنے والے صحابہ کو وضو اور نماز دہرانے کا حکم دیا۔ (ملاحظہ ہو: مصنف عبدالرزاق، کتاب

الصلاة، باب الضحك والتبسم في الصلاة، رقم الرواية: ۳۷۶۰، ۲/ ۳۷۶)

”بلکہ (امام) ابو حنیفہ نے قہقہہ کے مسئلہ میں ابو ہریرہؓ کی حدیث سے کم حیثیت والی (خبر مرسل) کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا۔“

⑤ ابو ہریرہؓ کی فقہت اور ان کی تمام روایات کی حجیت: جس اساس اور بنیاد پر یہ ساری عمارت کھڑی کی گئی، وہ اصل اور اساس ہی درست نہیں۔ ابو ہریرہؓ کا غیر فقیہ ہونا ایسے بیان کیا گیا، جیسے کہ یہ علماء امت کی متفقہ رائے اور ان کے ہاں ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ صورت حال قطعی طور پر ایسی نہیں۔ اہل علم و فضل کی ایک بڑی تعداد نے انہیں فقیہ اور ان کی ہر قسم کی ثابت شدہ روایات کو حجت قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے ذیل میں پانچ اقتباسات ملاحظہ فرمائیے:

ا: حافظ ذہبی ان کے متعلق گفتگو کا آغاز حسب ذیل الفاظ سے کرتے ہیں:

"الْإِمَامُ الْفَقِيهُ الْمُجْتَهِدُ الْحَافِظُ صَاحِبُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، أَبُو هُرَيْرَةَ الدَّوسِيُّ الْيَمَانِيُّ، سَيِّدُ الْحَفَاطِ الْأَثْبَاتِ." ۳

"امام فقیہ مجتہد حافظ، رسول اللہ ﷺ کے صحابی، ابو ہریرہ دوسی یمنی، نہایت پختہ (یادداشت والے) حفاظ حضرات کے سردار۔"

امام ابن سعد نے زیاد بن مینا سے روایت کیا، کہ انہوں نے بیان کیا:

"كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَ ابْنُ عَمْرٍ، وَ ابُو سَعِيدٍ، وَ ابُو هُرَيْرَةَ، وَ جَابِرٌ، مَعَ أَشْبَاهِهِمْ يُفْتَوْنَ بِالْمَدِينَةِ، وَ يُحَدِّثُونَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مِنْ لَدُنْ تَوْفِي عُمَانَ إِلَى تَوْفَا. قَالَ: "وَهُوَ لَاءِ الْحَمْسَةِ إِلَيْهِمْ صَارَتْ الْفَتَا." ۴

"ابن عباس، ابن عمر، ابوسعید، ابو ہریرہ اور جابر اپنے ہم پلہ حضرات کے ہمراہ عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات سے لے کر اپنی اپنی وفات تک مدینہ (طیبہ) میں فتویٰ دیتے اور رسول اللہ ﷺ سے احادیث بیان کرتے تھے۔"

انہوں (یعنی زیاد بن مینا) نے (یہ بھی) بیان کیا:

- ۱ سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۶۲۰-۶۲۱
- ۲ ابو ہریرہؓ کے غیر فقیہ ہونے کی بنا پر ان کی خلاف قیاس روایات کا مسترد کیا جانا
- ۳ سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۵۷۸
- ۴ متن میں ذکر کردہ روایت حافظ ذہبی نے طبقات ابن سعد سے قدرے اختصار کے ساتھ نقل کی ہے۔ (ملاحظہ ہو: الطبقات الكبرى: ۲/ ۳۷۲؛ سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۶۰۶-۶۰۷)

”اُن پانچ ہی کے پاس فتویٰ تھا۔“ (یعنی اس دور میں مسند فتویٰ انہی پانچ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس تھی)۔“
اب جو شخصیت خیر القرون میں اُن پانچ علمائے امت میں سے ایک ہو، جن ہی کا فتویٰ بانئیں یا تئیں یا
چوبیس سالوں کی طویل مدت تک مدینۃ الرسول ﷺ میں جاری و ساری رہا ہو، کیا وہ غیر فقیہ ہوں گے؟
ب: حافظ ذہبی ہی لکھتے ہیں:

”اِحْتَجَّ الْمُسْلِمُونَ قَدِيمًا وَحَدِيثًا بِحَدِيثِهِ، لِحِفْظِهِ وَجَلَالَتِهِ وَإِنْقَانِهِ وَفَقْهِهِ. وَنَاهِيكَ
أَنَّ مِثْلَ ابْنِ عَبَّاسٍ يَتَأَدَّبُ مَعَهُ، وَيَقُولُ: "أَفْتِ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ!"^۲
”اہل اسلام نے گزشتہ اور موجودہ زمانے میں اُن کی (عظیم) یادداشت، بزرگی، پختگی اور فقہت کی بنا پر
اُن کی احادیث کو بطور حجت تسلیم کیا ہے۔ تمہارے لیے (ابو ہریرہ کی شان و عظمت کو سمجھنے کے لیے) یہی بات
بہت کافی ہے، کہ ابن عباس ایسے (عظیم فقیہ) اُن کا احترام کرتے ہیں اور (اُن سے) کہتے ہیں: ”اے
ابو ہریرہ! فتویٰ دیجیے۔“ (یعنی خود فتویٰ دینے کی بجائے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے لہنی موجودگی میں فتویٰ دینے کی
فرمائش کرتے)

ج: حافظ ذہبی ہی نے قلم بند کیا ہے:

”وَأَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ إِلَيْهِ الْمُتَهَيِّ فِي حِفْظِ مَا سَمِعَهُ مِنَ الرَّسُولِ ﷺ وَأَدَائِهِ
بِحُرُوفِهِ. وَقَدْ أَدَّى حَدِيثَ الْمَصْرَاءِ بِالْفَاظِهِ، فَوَجَبَ الْعَمَلُ بِهِ، وَهُوَ أَصْلُ
بِرَأْسِهِ.“^۳

”رسول کریم ﷺ سے سنی ہوئی بات یاد رکھنے اور اسے حرفاً حرفاً ادا کرنے میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی انتہا کو
پہنچے ہوئے تھے۔ بے شک انہوں نے حدیثِ مصراة ”کو بعینہ انہی الفاظ کے ساتھ پہنچایا، جن کے
ساتھ انہوں نے سنا تھا۔ ہم پر لازم ہے کہ ہم اس پر عمل کریں اور وہ بجائے خود (حدیث روایت کرنے
میں) حجت (اور اتھارٹی) ہیں۔“

د: علامہ محمد عبدالحکیم لکھنوی لکھتے ہیں:

۱ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ۳۵ھ میں شہید کیے گئے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۵۷ھ یا ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ اس طرح اُن کی
مدت افتاء ۲۲، ۲۳ یا ۲۴ سال بنتی ہے۔

۲ سیر أعلام النبلاء: ۲/۶۰۹

۳ ایضاً: ۲/۶۱۹

۴ یعنی دودھ روکے ہوئے جانور کے متعلق حدیث،

"إِنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، صَرَخَ بِهِ ابْنُ أَلْهَمٍ فِي التَّخْرِيرِ. كَيْفَ لَا، وَهُوَ لَا يَعْمَلُ بِفُتُوَى غَيْرِهِ، وَكَانَ يُفْتَنِي فِي زَمَنِ الصَّحَابَةِ رَضَوَانَ اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ، وَكَانَ يُعَارِضُ أَجَلَةَ الصَّحَابَةِ كَابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا."^۱

”بے شک ابو ہریرہؓ نے (اپنی کتاب) ’التحریر‘ میں (اس بات کی) صراحت فرمائی ہے۔ (اور وہ مفتی) کیونکہ نہیں، وہ کسی کے فتویٰ پر عمل نہیں کرتے، (بلکہ) صحابہؓ کے زمانے میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور جلیل القدر صحابہ جیسے ابن عباسؓ سے اختلاف کیا کرتے تھے۔“

اس بارے میں علامہؒ لکھتے ہیں:

"وَنَحْنُ نَقُولُ إِنَّ الْحَبَرَ يَقِينٌ وَالتَّغْيِيرُ مِنَ الرَّاويِ بَعْدَ ثُبُوتِ عَدَالَتِهِ وَضَبْطِهِ مَوْهُومٌ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ يَرَوِي كَمَا سَمِعَ. وَكَوْغَيْرِ يُعَيَّرُ عَلَى وَجْهِ لَا يَتَغَيَّرُ الْمَعْنَى، فَإِنَّ الصَّحَابَةَ عَدُولُ الْأُمَّةِ."^۲

”اور ہم کہتے ہیں، کہ (صحابی کی روایت کردہ) حدیث یقینی ہے اور راوی کی عدالت اور ضبط کے ثبوت کے بعد، ان کی جانب سے معنی کا تبدیل ہونا ایک وہمی بات ہے۔ ظاہر (بات) تو یہی ہے، کہ (روایت کرنے والے) صحابی نے جیسے سنا، ویسے ہی روایت کیا۔ اگر وہ اس (روایت کردہ حدیث) میں کچھ تبدیلی بھی کرتے ہیں، تو اس طرح، کہ اس کے معنی میں نہ ہو، کیونکہ (حضرات) صحابہؓ (رضی اللہ عنہم) امت کی جانب سے عادل قرار دیئے گئے ہیں۔“

ہ: نور الانوار کے حاشیہ میں (جواب سوال) کے زیر عنوان تحریر کیا گیا ہے:

"إِنَّ تَرَكَ الْعَمَلِ بِحَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَيْسَ إِلَّا نِسْبَةُ الْجَهْلِ إِلَى السَّلْفِ وَاسْتِخْفَافُهُمْ، وَهُوَ كُفْرٌ."^۳

”ابو ہریرہؓ کی حدیث پر عمل کو چھوڑنا تو امت کے پہلے لوگوں کی جانب جہالت منسوب کرنے اور انہیں حقارت کی نگاہ کے ساتھ دیکھنے کے سوا کچھ نہیں اور ایسا کرنا کفر ہے۔“

و: شیخ ارناؤوط کا بیان: وہ لکھتے ہیں:

۱ ملاحظہ ہو: حاشیہ قمر الأقطار للعلامة الكهنوي: ص ۱۸۳، رقم ۴

۲ ملاحظہ ہو: حاشیہ قمر الأقطار علی نور الأنوار، رقم الهامش ۲، ص ۱۸۴ - نیز ملاحظہ ہو: أحسن الحواشي علی

أصول الشاشي: رقم الهامش ۲، ص ۷۶ للشيخ محمد بركت الله رضا الكهنوي

۳ نور الأنوار: ص ۱۸۳

"وَفِي قَوْلِهِمْ: "أَبُو هُرَيْرَةَ غَيْرُ فَقِيهٍ. " نَظَرٌ ظَاهِرٌ، فَإِنَّهُ فَاقَهُ مَجْتَهِدٌ لَا شَكَّ فِي فَقَاهَتِهِ. فَقَدْ كَانَ يُغْتَبَى فِي زَمَنِ النَّبِيِّ ﷺ وَبَعْدَهُ، وَكَانَ يُعَارِضُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا وَفَتَاؤُهُ، كَمَا فِي الْحَبْرِ الصَّحِيحِ أَنَّهُ خَالَفَ ابْنَ عَبَّاسٍ فِي عِدَّةِ الْحَامِلِ الْمُتَوَفَى عَنْهَا زَوْجُهَا، حَيْثُ حَكَّمَ ابْنَ عَبَّاسٍ بِأَبَعَدِ الْأَجَلَيْنِ، وَحَكَّمَ هُوَ بِوَضْعِ الْحَمْلِ.

وَأَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ عَمِلَ بِحَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: «مَنْ أَكَلَ نَاسِيًا فَلَيْتَمَّ صَوْمُهُ». مَعَ أَنَّ الْقِيَاسَ عِنْدَهُ أَنَّهُ يَفْطِرُ، فَتَرَكَ الْقِيَاسَ لِحَبْرِ أَبِي هُرَيْرَةَ. " ۱

"ان کی بات: (ابو ہریرہؓ غیر فقیہ)، میں خلل واضح ہے، کیونکہ بلاشبہ وہ فقیہ مجتہد ہیں، ان کی فقہات میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ یقیناً نبی کریم ﷺ کے عہد (مبارک) اور اس کے بعد فتویٰ دیتے تھے۔ وہ ابن عباسؓ اور ان کے فتویٰ کا معارضہ کرتے تھے، جیسا کہ صحیح روایت میں ہے، کہ بے شک انہوں نے حمل والی خاتون کی، خاوند کی وفات پر، عدت کی مدت میں اختلاف کیا۔ ابن عباسؓ کی رائے میں زیادہ دیر والی مدت عدت تھی اور انہوں نے بچے کی ولادت کو (عدت قرار دیا)۔"

(امام ابو حنیفہؒ نے ابو ہریرہؓ کی (روایت کردہ) حدیث پر عمل کیا: "جو بھول کر کھائے، وہ اپنے روزے کو مکمل کرے"، اگرچہ ان کے نزدیک قیاس یہ ہے، کہ وہ روزہ افطار کر دے۔ انہوں نے ابو ہریرہؓ کی حدیث کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا۔"

۲ حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص کی سنگینی: امام ابو زرعہ رازی حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید و تنقیص کے

حوالے سے ایک نہایت ہی سنگین بات کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يَتَّقِصُّ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَعْلَمَ أَنَّهُ زَنْدِيقٌ، وَذَلِكَ أَنَّ الرَّسُولَ ﷺ عِنْدَنَا حَقٌّ، وَالْقُرْآنَ حَقٌّ. وَإِنَّمَا أَدَى إِلَيْنَا هَذَا الْقُرْآنَ وَالسُّنَنَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. وَإِنَّمَا يُرِيدُونَ أَنْ يُجْرَحُوا شَهُودَنَا لِيَبْطَلُوا الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ، وَالْجُرْحَ بِهِمْ أَوْلَى، وَهُمْ زَنَادِقَةٌ. " ۳

"جب تم کسی شخص کو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے کسی ایک کی شان گھٹاتے ہوئے دیکھو، تو

۱ ہامش سیر أعلام النبلاء، رقم الهامش ۱، ۲/۶۱۹. شیخ ارناؤوط لکھتے ہیں: (اس سلسلے میں) علامہ محمد نجیط مطبعی کا حاشیہ سلّم الوصول ۳/۷۶۷، ۷۶۹ ملاحظہ فرمائیے۔ (ملاحظہ ہو: المرجع السابق)

۲ ملاحظہ ہو: صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها زوجها، وغیرها بوضع الحمل، رقم الحدیث ۵۶- (۱۴۸۴)، ۲/۱۱۲۲

۳ بچے کی ولادت اور چار ماہ دس دن، دونوں میں سے جو بات بعد میں ہوگی، ابن عباسؓ کی رائے میں وہ ہی ایسی خاتون کی عدت ہوگی۔

۴ منقول از: کتاب الکفایة فی علم الروایة: ۹۷

سمجھ لو، کہ یقیناً وہ طحڑ ہے۔ یہ اس لیے، کہ بلاشبہ رسول اللہ ﷺ ہمارے نزدیک برحق ہیں اور قرآن (کریم) برحق ہے اور یقیناً حضرات صحابہ نے کتاب و سنت ہم تک پہنچائی۔ یہ لوگ کتاب و سنت کو ناحق (باطل) ثابت کرنے کی غرض سے ہمارے (کتاب و سنت کے پہنچانے والے) گواہوں کو رد و قدح کا نشانہ بناتے ہیں۔ رد و قدح (خود) ان ہی کے لیے زیادہ مناسب ہے اور وہ طحڑ ہیں۔“

④ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بے ادبی پر فوری عذاب: حافظ ابو سعد سمعانی نے اپنی سند کے ساتھ قاضی ابو طیب سے روایت کیا، کہ بے شک:

”كُنَّا فِي مَجْلِسِ النَّظَرِ بِجَمَاعِ الْمَنْصُورِ، فَجَاءَ شَابٌّ خُرَاسَانِيٌّ، فَسَأَلَ عَن مَسْأَلَةِ الْمَصْرَاءِ؛ فَطَالَبَ الدَّلِيلَ، حَتَّى اسْتَدْلَّ بِالْحَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ الْوَارِدِ فِيهَا.“
”ہم جامع منصور میں (دینی مسائل میں غور) فکر کی مجلس میں تھے، کہ ایک خراسانی نوجوان نے آکر (دودھ روکے ہوئے جانور) کے مسئلہ کے متعلق استفسار کرتے ہوئے دلیل کا مطالبہ کیا۔“

اس بارے میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث بطور دلیل پیش کی گئی، تو:

”قَالَ - وَكَانَ حَنيفًا - : ”أَبُو هُرَيْرَةَ غَيْرُ مَقْبُولِ الْحَدِيثِ.“
”اس نے کہا، اور وہ حنفی تھا:“ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ناقابل قبول ہے۔“
”فَمَا اسْتَمَّ كَلَامَهُ، حَتَّى سَقَطَ عَلَيْهِ حَيَّةٌ عَظِيمَةٌ مِّنْ سَفْفِ الْجَمَاعِ، فَوَكَّبَ النَّاسُ مِّنْ أَجْلِهَا، وَهَرَبَ الشَّابُّ مِنْهَا، وَهِيَ تَتَّبِعُهُ.“
”اس نے ابھی اپنی گفتگو مکمل بھی نہیں کی تھی، کہ جامع (مسجد) کی چھت سے اس پر ایک بہت بڑا اژدہا گرا۔ لوگ اس کی وجہ سے کودے (یعنی نہایت تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے)، نوجوان بھی (خوف سے) اُس سے بھاگا اور وہ اُس کے پیچھے پیچھے تھا۔“

فَقِيلَ لَهُ: ”تُبُّ، تُبُّ.“ اس (نوجوان) سے کہا گیا: ”توبہ کرو، توبہ کرو۔“
فَقَالَ: ”تُبْتُ.“ اُس نے کہا: ”میں توبہ کرتا ہوں۔“
”فَعَابَتِ الْحَيَّةُ، فَلَمْ يَرْهَا أَكْثَرَ.“ ”اژدہا غائب ہو گیا اور اُس کا (دہان) کوئی نام و نشان نہ رہا۔“
حافظ ذہبی اس واقعہ کی سند کے متعلق لکھتے ہیں: ”إِسْنَادُهَا أَئِمَّةٌ.“
”اس قصہ کے روایت کرنے والے ائمہ ہیں۔“

[پروفیسر ڈاکٹر فضل الہی رضی اللہ عنہ کی صحیح بخاری کی آخری حدیث پر تصنیف ’فضل الباری: ص ۲۷۱ تا ۲۹۶]



تحفظِ بنیادِ اسلام بل پر شیعہ کی پریس کانفرنس

حافظ ابو یحییٰ انور پوری

۲۲ جولائی ۲۰۲۰ء کو پنجاب اسمبلی سے متفقہ طور پر تحفظِ بنیادِ اسلام بل ۲۰۲۰ء منظور ہوا تو شیعیت کے ایوانوں میں بھونچال آگیا۔ لاہور پریس کلب میں ایک وسیع پریس کانفرنس میں شیعہ علما نے اپنا پر زور موقف بیان کیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”اہل سنت صحابی کی جو تعریف کرتے ہیں، ہم اسے تسلیم نہیں کرتے۔ سیدنا معاویہؓ کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ، نہیں لکھیں گے۔ ہم سیدنا ابو بکرؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ کو خلیفہ راشد نہیں مانتے۔ ہم رسول اللہ ﷺ کی چار بیٹیاں (سیدہ زینبؓ، سیدہ رقیہؓ، سیدہ ام کلثومؓ اور سیدہ فاطمہ الزہراءؓ) نہیں مانتے، بلکہ صرف ایک (سیدہ فاطمہ الزہراءؓ) مانتے ہیں۔ سیدنا معاویہؓ اور سیدہ عائشہؓ کو غلط مانتے ہیں اور اپنی کتب اور مجالس میں انہیں غلط ہی کہیں گے۔ ائمہ کے نام کے ساتھ علیہ السلام اس لیے لگاتے ہیں کہ ہم انہیں انبیاء کرام کی طرح معصوم مانتے ہیں۔“ پنجاب اسمبلی سے تحفظِ بنیادِ اسلام بل پاس ہونے پر شیعہ ذاکرین کانفرنس کے آخر میں آگ بگولہ ہو گئے اور حکومت وقت کو سرعام دھمکی دی کہ گورنر تو کیا، گورنر کا باپ بھی تحفظِ بنیادِ اسلام بل پاس نہیں کر سکتا، ہم انہیں ایک ایک ادارہ بند کر کے دکھائیں گے۔

اس بل پر ابھی اسمبلی اور عوام میں بحث مباحثہ جاری ہے، تاہم ایک امر ضرور واضح ہے کہ ختم نبوت اور ناموس رسالت کی طرح، ناموس صحابہ کے لئے بھی اہل سنت کو مشترکہ جدوجہد اور متحدہ محاذ قائم کرنا پڑے گا۔ اس بیان کے بہت سے جواب سامنے آرہے ہیں، ذیل میں ایک مختصر مگر جامع وضاحت نذر قارئین ہے۔

”تحفظِ بنیادِ اسلام بل جو صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ عنہم کی ناموس کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے پنجاب اسمبلی سے بالاتفاق منظور کیا گیا، اس پر شیعہ راہ نماؤں نے اپنے تحفظات کا اظہار کیا اور اسے اپنے مذہب کے خلاف سازش، بلکہ اسمبلی ممبران کی حماقت قرار دیا۔ یہاں مختصر اہم ان کے تحفظات کا جائزہ لیتے ہیں:

① شیعہ عقیدہ امامت پر ایمان رکھتے ہیں، جس کے مطابق نبی کریم ﷺ کے بعد امت کی حکمرانی کا حق من اللہ ہے اور وہ اہل بیت اطہار کے پاس ہے، یہ عقیدہ انہیں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی عزت کرنے سے

رہتا ہے۔

- ② سیفہ بنی ساعدہ میں جو لوگ جمع ہوئے اور سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، ان کا فعل غیر قانونی ہے۔
- ③ اہل سنت اپنی تعریف کے مطابق جنہیں صحابی مانتے ہیں۔ یہ بل ہمیں ان کی عزت کرنے اور انہیں رضی اللہ عنہ کہنے کا پابند کرتا ہے، جس پر ہم قطعاً تیار نہیں۔
- ④ شیعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف ایک بیٹی مانتے ہیں، جب کہ تحفظِ بنیادِ اسلام بل، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں کو تسلیم کرنے کا کہتا ہے۔
- ⑤ شیعہ ان لوگوں کی عزت نہیں کر سکتے اور انہیں برا کہنے سے نہیں رک سکتے، جنہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف کیا، جیسا کہ جنگِ جمل میں وہ امّ المؤمنین حضرت عائشہ کے خلاف ضرور بولیں گے، جبکہ مذکورہ بل کی وجہ سے وہ پانچ سال قید کے سزاوار ہوں گے۔

مختصر تبصرہ

- دلائل سے ان مسائل کو نکھارنا یہاں مقصود نہیں۔ صرف بعض سوالات کی طرف توجہ مبذول کرانا ہے:
- ① جس منطق سے شیعہ کیونٹی خلفائے راشدین، اہمات المؤمنین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ناموس پر حملہ کرنے کو اپنا حق قرار دے رہی ہے، کیا اسی منطق سے وہ نعوذ باللہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کو برا کہنے کا بھی کسی کو حق دیں گے؟
- کیونکہ اہل سنت کے نزدیک تو سب صحابہ... اہل بیت ہوں یا دیگر... واجب الاحترام ہیں، لیکن شیعہ کی ضد اور رد عمل میں ایک اور گروہ بھی راہِ حق سے منحرف ہے، شیعہ کی طرح وہ بھی اسلام کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن وہ گروہ نزاعی معاملات میں خلفائے ثلاثہ، اہمات المؤمنین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بجائے سیدنا علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ عنہم کو خطا وار گردانتا ہے اور انہیں برا کہنا بھی اپنا عقیدہ و حق قرار دیتا ہے۔
- کیا شیعہ انہیں بھی یہ حق دیں گے کہ وہ بھی اپنی خیانت کا اظہار کرنے کے مجاز ہیں...؟ کیا شیعہ کیونٹی ایسے بد بختوں کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر مسلمانوں کا ناحق خون بہانے کا الزام لگانے کی اجازت دیں گے؟
- ② اگر کوئی ظالم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بنتِ رسول ہونے کا انکار کرے اور اپنے اس عقیدے کے

انہار کا حق مانگے تو کیا وہ ایسی خباثت کو برداشت کریں گے؟

مسلمان تو قطعاً ایسا برداشت نہیں کر سکتے، شیعہ کرتے ہیں تو بتائیں۔ اگر وہ کہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ان کے والدِ گرامی سے نسبت کا انکار وہ بھی برداشت نہیں کر سکتے، تو مسلمان کیسے اپنے نبی کریم ﷺ کی دیگر تین صاحبزادیوں کے سرعام انکار کو برداشت کریں گے؟

③ شیعہ کمیونٹی نے پریس کانفرنس میں بار بار دعویٰ کیا کہ وہ کسی کی اہانت نہیں کرتے، بس اپنا عقیدہ ضرور بیان کریں گے۔ ان کے اس دعوے کے جھوٹا ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ کسی کی اہانت نہیں کرتے... ارے بھی، اہانت آخر کس بلا کا نام ہے؟ کسی کو اس کا جائز مقام نہ دینا ہی اہانت ہے، چاہے آپ کتنے پیار سے وہ حق چھیننے کی کوشش کریں۔

دیکھیں نا، ہمارے ملک میں قادیانی لوگ رہتے ہیں، ان سے کبھی پوچھیں کہ کیا وہ نبی مکرم ﷺ کی اہانت کرتے ہیں، وہ کبھی اس بات کو نہیں مانیں گے، بلکہ ان کے مطابق وہی محمد ﷺ کا سب سے زیادہ احترام کرتے ہیں، لیکن مسلمان ان کے اس جھوٹے دعوے کو نہیں مانتے، کیوں کہ نبی رحمت ﷺ کی ختم نبوت کا انکار ہی آپ ﷺ کی اہانت ہے!!

بعینہ جب آپ خلیفہ اول، جانشین رسول اکرم ﷺ کی خلافت کا انکار کر کے نعوذ باللہ انہیں غاصب و ظالم قرار دیتے ہیں، تو اس سے بڑھ کر اور اہانت کیا ہوگی...؟ اسی طرح سیدنا عمر فاروق اور سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما کا حق خلافت بھی نہیں مانتے اور انہیں بھی دشنام دیتے ہیں کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حق پر ڈاکہ مار کر حکمرانی کرتے رہے۔ نعوذ باللہ!

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری کہانی بھی شیعہ لوگ تقیہ کی چادر اوڑھ کر سناتے ہیں، ورنہ جب تقیہ کا نقاب اُترتا ہے تو ان کا اصل عقیدہ تو سیدنا ابوبکر و عمر و عثمان سمیت دیکھ صحابہ کرام اور اہمات المؤمنین رضی اللہ عنہم کے ایمان کا سرے سے انکار کا ہے۔

④ اب تھوڑی دیر کے لیے اگر ہم مان لیں کہ امامیہ یا اثنا عشریہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہمات المؤمنین رضی اللہ عنہم کو صرف ظالم و غاصب ہی مانتے ہیں، کافر نہیں کہتے، تو بھی ان سے سوال ہے کہ تقیہ چھوڑ کر مشہور و معروف شیعہ ذاکرین جو بیان کرتے ہیں اور مذکورہ جلیل القدر ہستیوں کے ایمان کی نفی کو اپنا عقیدہ بتاتے ہیں، آپ کس طرح انہیں ان کا عقیدہ بیان کرنے سے روکیں گے...؟

⑤ پریس کانفرنس میں تیس مارخان دلیل یہ دی گئی کہ ہم پاکستانی نہیں؟ ہمیں اپنا عقیدہ بیان کرنے پر سزا کیوں؟

تو جناب! لاکھوں قادیانی بھی پاکستان کے رہائشی ہیں، کیا آپ انہیں ختم نبوت کے انکار پر مبنی اپنی خباث سرعام ظاہر کرنے کی اجازت دیں گے؟ ان کا بھی تو یہ عقیدہ ہے اور وہ بھی پاکستانی ہیں...!!

⑥ پھر اس بل پر تحفظات کے اظہار میں 'علیہ السلام' کی بحث چھیڑنا بے وقت کی راگنی ہے، اس بل میں قطعاً 'علیہ السلام' کے استعمال پر پابندی نہیں لگائی گئی، بلکہ ہر مسلمان کو اس بات کا پابند بنایا گیا تھا کہ وہ سب کے ساتھ احتراماً 'رضی اللہ عنہ' لازمی لکھے۔

پریس کانفرنس میں شیعہ کا یہ کہنا کہ 'رضی اللہ عنہ' محض دعا ہے، بالکل جہالت پر مبنی ہے، کیوں کہ اہل سنت 'رضی اللہ عنہ' کو بطور خبر استعمال کرتے ہیں کہ یقیناً اللہ ان ہستیوں سے راضی ہو چکا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا: **رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ!** "اللہ ان سے راضی ہو اور وہ اللہ سے۔"

اب کوئی منصف مزاج بتائے کہ کیا یہ احترام کی دلیل ہے یا نہیں؟

⑦ باقی ان کا یہ کہنا کہ وہ انبیاء ورسول کی طرح اپنے ائمہ کے ساتھ 'علیہ السلام' کا استعمال کرتے ہیں اور اپنے چودہ ائمہ کو انبیاء ورسول کی طرح معصوم سمجھتے ہیں، تو یہ منصب نبوت ورسالت کی صحت تو ہیں ہے۔ پہلے وہ چھپ چھپا کر ایسی باتیں کرتے تھے، اس بل نے انہیں اپنے تقیہ کی چادر اٹھ کر کھلم کھلا اظہار پر مجبور کر دیا۔

⑧ آخر میں ہم شیعہ کمیونٹی سے ایک بار پھر اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہوش کے ناخن لیں، بہت سے مسلمانوں اور پاکستانیوں کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ کافر کافر شیعہ کافر۔ اس نعرے کے جائز و ناجائز ہونے سے قطع نظر، کیا شیعہ کمیونٹی ان پاکستانیوں کو اپنا یہ عقیدہ سرعام ظاہر کرنے، اس کی اشاعت کرنے اور برسر منبر اس کی تبلیغ کرنے کی اجازت دیں گے؟

نہیں؟ تو پھر وہ کیسے انبیاء ورسول کے بعد اس کائنات کی افضل ترین ہستیوں کے بارے میں اپنا برا عقیدہ ظاہر کرنے کی اجازت چاہتے ہیں؟ ایسی ہستیاں جنہیں خود سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنا مقتدا پیشو امانتے تھے اور ان کی پیروی کو اپنے لیے باعثِ نجات سمجھتے تھے...

آخر آپ پیغامہ ایک کیوں نہیں رکھتے...؟؟



’قومی اقلیتی کمیشن‘ میں قادیانیوں کی نمائندگی؟

قادیانیوں کی شمولیت کے خلاف برحسب رسول ﷺ کو اپنا کردار ادا کرنا چاہیے!

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

تحریک انصاف کی حکومت کی وفاقی کابینہ نے بدھ، ۲۹ اپریل ۲۰۲۰ء کو ’قومی اقلیتی کمیشن‘ میں قادیانیوں کو شامل کر کے اس کمیشن کو موثر کرنے کی جو اصولی منظوری دی ہے، اس کے قومی اور دینی نقصانات، متوقع فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔ اس لئے عالمی دباؤ سے ہونے والے اس حکومتی فیصلہ کو واپس کرنے کے لئے بھرپور اور فوری جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ یہ منظوری مسلمانوں کے نظریات اور ملی تشخص پر حملہ ہے!!

یہ عمران حکومت کی اقلیتوں کی ناز برداری کی ویسی ہی ناروا کوشش ہے جیسا کہ اس سے قبل کرتا پور بارڈر، گرجا گھروں کی توسیع و تزئین اور قومی یونیورسٹیوں میں بابا گورناٹک چیئرمین اور سیمینارز منعقد کر کے، ان کو مسلمانوں پر مسلسل ترجیح دینے کی افسوس ناک روش جاری ہے۔

اقوام متحدہ کے دباؤ کے تحت قائم اقلیتی کمیشنوں کے فرائض میں اقلیتوں کے احترام اور فروغ کی یقین دہانی، قانون میں ان کے تحفظ کی نگرانی، اقلیتوں کے مفادات پر حکومت کو تجاویز، ان سے ہونے والے کسی امتیاز کی رپورٹنگ اور اس کا خاتمہ، اقلیتوں کے تحفظ کے لئے تحقیقات کروانا اور اس کو نافذ کرنے کی مسلسل جدوجہد کرنا وغیرہ شامل ہے۔

① یہ بجائے کہ اقلیتی کمیشن کا حصہ بن جانے سے قادیانیوں کا غیر مسلم تشخص عوام میں مزید نمایاں ہو گا، بالخصوص جب بعض علما کے مطالبے کے مطابق وہ کھلم کھلا اپنے غیر مسلم ہونے کا اعتراف کر کے اس کا حصہ بنیں۔ تاہم اس کے بہت سے دیگر سنگین نقصانات بھی ہیں، جنہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

② اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ غیر مسلم تشخص اور مسلمہ اقلیت قرار پانے کی بنا پر قادیانی اپنے بہت سے بین الاقوامی اور دستوری حقوق تو قانونی طور پر حاصل کریں گے ہی، جبکہ مسلمان ہونے کے غلط ذاتی دعوے کی بنا پر، موجودہ حالات کی طرح مسلمانوں میں بھی دھوکے سے گھسے رہیں گے اور اس طرح بھی اپنے

گروہی مفادات سے چمٹے رہیں گے۔

۳) قومی مناصب اور کوٹے میں دوطرفہ حصہ داری: قادیانیوں کو اسمبلیوں میں لازمی نمائندگی، دوہرے ووٹ، اہم سرکاری اداروں میں غیر مسلموں کے کوٹے میں حصہ، اپنے شعائر و معابد کے قیام و تحفظ اور اسلام کے نام پر مغالطہ آمیز عقائد کی دعوت و تبلیغ کی عالمی سرپرستی تو حاصل ہوئی جائے گی کیونکہ ہر مسئلہ فرقہ و مذہب کو دستور کا آرٹیکل ۲۰ یہ سارے حقوق عطا کرتا ہے، تو دوسری طرف اُن کی بناوٹی رپورٹوں پر پاکستان کا اقلیتوں سے سلوک بھی عالمی برادری میں آئے روز نشانہ بنتا رہے گا۔ اور پاکستانی عالمی امداد ان کے فرضی حقوق میں مسلسل بہتری کرتے رہنے سے مشروط کر دی جائے گی۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں ۳۴۲ میں سے دس نشستیں اقلیتی اراکین کے لئے مخصوص ہیں۔ جبکہ پنجاب و سندھ کی اسمبلیوں میں ۸ اور ۹ نشستیں غیر مسلموں کے لئے مخصوص ہیں۔

صدر ضیاء الحق مرحوم نے پاکستان میں تمام ادیان سے وابستہ لوگوں کے لئے مخلوط انتخاب کی بجائے جداگانہ الیکشن کا نظام رائج کیا تھا، جس کے تحت غیر مسلم اقلیتیں صرف غیر مسلم امیدواروں کو ووٹ دے کر اسمبلی میں پہنچ سکتی تھیں۔ بعد ازاں جنرل پرویز مشرف نے ۲۰۰۲ء میں عالمی دباؤ پر غیر مسلموں کے لئے جنرل الیکشن میں بھی حصہ لینے کا راستہ کھول دیا۔ اس طرح ہر غیر مسلم، اقلیتی امیدوار ہونے کے ساتھ، جنرل الیکشن میں بھی حصہ لے سکتا اور غیر مسلم ووٹر، عام پاکستانی ووٹر کے ساتھ ساتھ اقلیتی ووٹر کا دوہرا ووٹ بھی ڈال سکتا ہے۔ اس طرح گنتی کے چند غیر مسلم، پاکستانی معاشرے میں مسلمانوں پر اپنی حیثیت سے دگنا دباؤ ڈال کر دوہرا فائدہ حاصل کر لیتے ہیں۔ اور جن علاقوں میں غیر مسلموں کی اکثریت ہے، وہاں غیر مسلم جنرل الیکشن کے ذریعے اسمبلیوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسی طرح قادیانی بھی اسمبلی کی دوہری رکنیت اور دوہری ووٹنگ سے فائدہ اٹھائیں گے۔ ایک بطور قادیانی اور دوسری بطور عام پاکستانی...!!

۴) اسلام کے جھوٹے دعوے کے ساتھ اپنے حقوق چھیننا: جہاں تک بطور مسلم ان کے کردار کا تعلق ہے، تو آئین پاکستان کو دل سے تسلیم نہ کرنے اور پاکستان کے خلاف نفرت انگیز جدوجہد جاری رکھنے کی بنا پر، وہ مسلمانوں کے لئے حسب سابق مسائل و مشکلات میں اضافہ کرتے رہیں گے۔ جب اسلام آباد یا نیکیورٹ کے تازہ فیصلے ۲۰۱۸ء کے مطابق قادیانیوں کو ہر قسم کی سرکاری ذمہ داری دینے سے قبل ختم نبوت کا باقاعدہ حلف نامہ دینا ضروری قرار پایا ہے، تاکہ قادیانی دھوکہ دہی اور مداخلت کا سدباب کیا جاسکے، اور

اس پر سنجیدگی سے تاحال کہیں عمل درآمد نہیں کیا جا رہا، اور قادیانی حسب سابق ان عدالتی فیصلوں کو بھی تسلیم نہیں کرتے تو گویا مسلم معاشرے میں اپنا حصہ تو وہ پہلے ہی دھوکہ دہی سے چھین رہے ہیں، اب بطور غیر مسلم بھی وسیع تر مفادات حاصل کر کے رہیں گے۔

⑤ عالمی اداروں کی سرپرستی: قادیانی اسلامی شعائر اور احکام کے استعمال کو اپنا انسانی حق قرار دیتے اور دنیا بھر کو اس دعوے کے ساتھ اپنا ہم نوا بناتے اور پاکستانی حکومت و عدالت سے بدظن کرنے کی مہم جوئی کرتے ہیں۔ عالم کفر بھی انسانی حقوق کے نام پر ان کی تائید وہم نوائی کرتا ہے۔ حالانکہ پاکستانی عدالتیں اور حکومت، نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت سے دستبرداری کے بعد اسلامی شناختوں اور احکام کے استعمال کو ان کی دھوکہ دہی اور مغالطہ آرائی قرار دیتی ہے۔ اور دھوکہ دہی انسانی حق کی بجائے جرم کے زمرے میں آتی ہے۔ اس فرق کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے قادیانی دنیا بھر میں اپنے من مانے حقوق کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ قومی اقلیتی کمیشن کا حصہ بن جانے کے بعد قادیانیوں کے لئے اپنی خود ساختہ مظلومیت کا اعلان کرنا اور اپنے فرضی حقوق کے لئے عالمی اداروں کی پشت پناہی حاصل کرنا آسان تر ہو جائے گا۔

⑥ قادیانی اقلیت کی بجائے دھوکے باز دشمن ہیں: موجودہ سیاسی اصطلاح کے مطابق قادیانیوں کو ’اقلیت‘ قرار دینا بھی غلط ہے، کیونکہ اقلیت قرار پانے کے بعد اقوام متحدہ کے اقلیتوں کے حقوق پر ۱۹۹۲ء کے ڈیکلریشن کے مطابق ان کے تشخص، ثقافت، مذہب اور اس کے فروغ کا احترام ہر ریاست کی ذمہ داری قرار پاتا ہے۔ حالانکہ ایک طرف مسلم حکومت میں غیر مسلموں کو مسلمانوں میں اپنی دعوت پھیلانے کا حق حاصل نہیں ہوتا تو دوسری طرف قادیانی کسی عام غیر مسلم کی بجائے دراصل حربی اور مکار غیر مسلم ہیں، جو نہ صرف اسلام اور پاکستان کے بدترین دشمن ہیں بلکہ اسلام کا نام لے کر دھوکہ دہی کے ذریعے اسلام کے تشخص کو بگاڑنے اور مسلمانوں کو مغالطہ دینے میں لگاتار مصروف ہیں۔ اسلام میں عام کافر سے حربی کافر کے احکام مختلف ہیں، چہ جائیکہ پاکستان میں ایسے خائن اور دھوکہ باز ملک و ملت دشمنوں کو برابر کے حقوق دیے جانے کی ضمانت ہی دے دی جائے۔

⑦ قادیانیوں کو قومی مناصب دینا غلط ہے: یہ بالکل ایسے ہی ہے کہ مسلم حکومت میں کسی ہندو اور عیسائی کو غیر مسلموں پر ایک حد تک اختیار و اقتدار دیا جاسکتا ہے، بعض فقہائے کرام نے غیر مسلموں کو بااختیار وزیر کی بجائے تشفی دہن کا موقف بھی اختیار کیا ہے، لیکن قادیانی دھوکے بازوں، مسلمانوں پر

دشنام طرازی کرنے والوں اور دستور کے مخالفوں کو تو کوئی قومی منصب بھی نہیں دیا جاسکتا، تاکہ وطن کے تشخص اور مفاد کا تحفظ ہو سکے۔ جب قادیانی دستور پاکستان کو ہی دل و جان سے تسلیم نہیں کرتے تو اس کے تحت اقلیتی حقوق کا وایلا کیا جواز رکھتا ہے؟

① قادیانیوں کو اقلیت تسلیم کرنا خلاف قانون بھی ہے: ۲۸ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو وفاقی شرعی عدالت میں قادیانیوں نے درخواست دی تھی کہ ان کو باقی غیر مسلموں کی طرح بحیثیت اقلیت تسلیم کیا جائے اور جس طرح باقی غیر مسلم کے حقوق ہیں، ہمیں بھی وہ حیثیت دی جائے، جس پر بحث مباحثہ کے بعد ان کی درخواست خارج کر دی گئی تھی۔ درخواست کا نمبر 17/I of 1984 اور 2/L تھا جسے وزارت مذہبی و اقلیتی امور نے شائع کر رکھا ہے۔ جب یہ معاملہ ماضی میں بڑے بحث مباحثہ کے بعد طے ہو چکا ہے، تو نامعلوم اس پر کیوں بار بار قوم کا وقت ضائع کیا جاتا ہے؟ اس فیصلے میں دیگر بہت سے دلائل کے بعد، نکتہ نمبر ۱۶ کے آخر میں یہ قرار دیا گیا کہ

... In these circumstances, the Ordinance appears to be covered by the exception in Article 20 about its being subject to maintenance of law and order.

”۱۹۷۴ء کی دوسری دستوری ترمیم کے نتیجے میں جو مسلمانوں کے ایک متفقہ مطالبہ کا نتیجہ تھا، یہ ممکن نہیں تھا کہ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان قرار دیں یا اپنے نظریات والے اسلام کو حقیقی اسلام کے طور پر پیش کریں۔ لیکن انہوں نے اس آئینی ترمیم کا کبھی احترام نہ کیا اور ماضی کی طرح اپنے نظریات کو اسلام کے نام سے ہی کتابیں اور روزناموں کے ذریعے بر ملا پھیلاتے رہے۔ مزید یہ کہ مسلم افراد میں بھی اپنے دھوکہ آمیز نظریات کو نفرت پیدا کرنے کے لئے انہوں نے پھیلانا جاری رکھا جس سے واضح طور پر قانون اور امن عامہ کی صورت حال خراب ہونے کا قومی امکان تھا۔ اور یہ سب اس وقت تک جاری رہا تا آنکہ ’امتناع قادیانیت آرڈیننس ۱۹۸۳ء‘ کو منظور کر لیا گیا۔ ان حالات میں یہ آرڈیننس قادیانیوں کو دستور کے آرٹیکل ۲۰ سے حاصل شدہ رعایت سے استثنیٰ کا اظہار کرتا ہے کیونکہ قومی امن و امان کو بحال رکھنے کا یہی تقاضا ہے۔“

الغرض قادیانی دستور پاکستان کے قوانین کو تسلیم نہ کرنے پر اصرار جاری رکھیں گے لیکن اپنے وسیع دو

طرفہ مفادات حاصل کرنے کے لئے اقلیتی کمیشن میں شامل ہونے کو ترجیح دیں گے۔ اور عالمی کافر برادری کو بھی اسی طرح ان کے تحفظ اور مدد کرنے کے بہتر مواقع حاصل ہوں گے۔ ان ملی و شرعی نقصانات کی بنا پر ہر محبِ رسول ﷺ کو اس قادیانیت نواز فیصلہ کی پوری مخالفت کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ ق کے صوبائی وزیر معدنیات جناب حافظ عمار یاسر نے اس فیصلہ کو آئین سے متصادم قرار دیتے ہوئے واپس لینے کا مطالبہ کیا ہے اور لاہور ہائی کورٹ میں اس کے خلاف ایک رٹ بھی کر دی گئی ہے۔ قومی اقلیتی کمیشن کی نگران وفاقی وزارت مذہبی امور نے بھی قادیانیوں کو کمیشن میں شریک کرنے کی مخالفت کی ہے اور وفاقی وزیر مذہبی امور نے بھی اپنے بیان میں اس کی مخالفت کی ہے۔

بھارت میں شہریت بل کے ذریعے مسلم اقلیت کو بے دخل کرنے، بابر مسجد کی مسماری کی حمایت میں عدالتی فیصلے اور ہندو مندر کے سنگ بنیاد، کشمیر میں مسلم اکثریت سے ظلم اور دھوکہ دہی، اور اب کورونا کو ہندوستانی مسلمانوں سے نفرت کے فروغ میں استعمال کرنے کی گھناؤنی سازشوں کے مقابل ہمارے حکام کی ملک دشمنوں کی ناز برداری اور اغیار سے دوستی ناقابل فہم اور بے غیرتی کے مترادف ہے۔ ایک طرف دنیا کو رونا کی آزمائش کا شکار ہے تو دوسری طرف ہماری حکومت کوئی مثبت پیش قدمی کرنے اور دینی تقاضوں کو بجالانے کی بجائے، مزید عالمی سازشوں کے فروغ اور ملی کمزوری پر مبنی اقدامات میں مشغول ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ناعاقبت اندیش حکمرانوں کو ہدایت اور اصلاح کی توفیق دے۔ (۲۸ اپریل ۲۰۲۰ء)

بعد از تحریر

چنانچہ ۱۵ مئی ۲۰۲۰ء کو وفاقی کابینہ نے قومی اقلیتی کمیشن کی منظوری دی جس میں کوئی قادیانی شامل نہیں تھا۔ وفاقی وزیر نورالحق قادری کے مطابق سندھ کی ہندو برادری سے تعلق رکھنے والے چیلا رام کیولانی قومی اقلیتی کمیشن کے چیئرمین مقرر ہوئے۔ کمیشن میں ہندو اور مسیحی برادری سے ۳، ۳ جبکہ سکھ برادری سے ۲، کیلاش اور پارسی برادری سے ایک، ایک ممبر شامل ہے۔

۸ مئی کو اسلام آباد ہائیکورٹ میں اس کمیشن میں قادیانیوں کو نمائندگی نہ دیے جانے کے خلاف رٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے جسٹس محسن اختر کیانی نے کہا کہ اقلیتوں کو کمیشن میں شامل کرنا ایک انتظامی معاملہ ہے، اگر انہیں حقوق نہیں مل رہے تو قادیانیوں کو خود عدالت سے رجوع کرنا چاہیے۔ ☆☆



میرا جسم؛ میری مرضی، کا نعرہ... ایک تحلیلی جائزہ

ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ہر سال ۸ مارچ کو یوم خواتین پر حقوق نسواں کے بلند بانگ نعرے لگائے جاتے ہیں اور اب تو کچھ عرصہ سے باقاعدہ منصوبہ بندی سے کالج و یونیورسٹی کے طلبہ و طالبات کو اس مہم کے لئے تیار کیا جاتا اور مغربیت زدہ نعرے ان کے ہاتھوں میں تھما کر، عورت مارچ کے ذریعے معاشرے میں اپنا مذموم ایجنڈا پھیلایا جاتا ہے۔ اس سال ۳ مارچ ۲۰۲۰ء کو ڈرامہ نگار خلیل الرحمن جاوید اور مغربیت کی پرچارک ماروی سرمد کے درمیان اس موضوع پر تلخ مباحثے نے سنگین صورتحال پیدا کر دی جس کے بعد قومی سطح پر ایک مکالمہ شروع ہو گیا۔ اس کے بعد حقوق نسواں کے بہت سے داعی بھی اس نعرے کی حمایت میں خم ٹھونک کر سامنے آ گئے۔ میرا جسم میری مرضی، میں چھپی من مانی اور معاشرے سے متصادم دعوت کو دیکھتے ہوئے بہت سے لوگوں نے اس کے مفہوم کو تبدیل کرنے کی کوشش بھی کی جس کا مختصر جائزہ یہاں لیا گیا ہے۔

یہ نعرہ لگانے والے نیت نئی تاویلوں سے سامعین کے سامنے اس نعرے کے ناروا پیغام کو الجھانے بلکہ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں، حالانکہ لاہور ہائی کورٹ پہلے ہی اس نعرے کو غلط قرار دے چکا ہے اور حالیہ قومی مباحثہ بھی ٹی وی ٹاک شو میں اس نعرے کے لایعنی تکرار اور گفتگو میں بے جا مداخلت کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ اس نعرے کو درست ثابت کرنے کے لئے کبھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد بچیوں سے بدکاری کی مذمت ہے، کبھی چھوٹی عمر اور کبھی جبری شادی کی مخالفت کو اس نعرے کا ہدف بتایا جاتا ہے، کبھی اس سے مراد حصول اولاد کے بارے میں عورت کی رائے کو نظر انداز کرنا یا اس کی ملازمت کی آزادی کا دعویٰ کرنا بتایا جاتا ہے۔ حالانکہ ٹی وی مباحثہ میں ماروی سرمد نے خود ازدواجی تعلق میں اپنی مرضی، اور بچے پیدا کرنے میں اپنی مرضی کا حوالہ دے کر ہی اپنے دعوے اور نعرے کی بخوبی وضاحت کر دی تھی۔ اسی طرح اس کے ساتھ لگائے جانے والے نعروں: 'میں آوارہ بدچلن سہی'... 'اگر دوپٹہ اتنا پسند ہے تو خود لے لو'... 'لو بیٹھ گئی صحیح سے'... 'میں طلاق یافتہ لیکن خوش ہوں'... 'شادی نہیں، آزادی'... 'شادی کے علاوہ اور بھی بہت کام ہیں'...

میری مرضی کی تسبیح روزانہ پڑھیں، اور میرا جسم میدانِ جنگ نہیں، جیسے پلے کارڈ بھی اس نعرے کے غلط مقصد اور ناجائز مراد کو بخوبی واضح کر دیتے ہیں۔

بعض لوگ یورپ میں اس نعرے کے پس منظر اور آغاز کے ذریعے اسقاطِ حمل کی حمایت میں جاری مغربی تحریک سے بھی اس کا تعلق بیان کرتے ہیں۔

جب فیمنزم کے حامی مفکر جان سٹورٹ مل عورت کی محکومیت، نامی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ”شادی غلامی کی واحد صورت ہے جو اب تک ہمارے قانون کے تحت جائز ہے۔ شادی کا بندھن قانونی بدکاری کے مترادف ہے۔“ اور عورت مارچ کے حالیہ نعروں کو ملا کر دیکھا جاتا ہے تو بلاشبہ ثابت ہو جاتا ہے کہ مغربی تحریکِ نسواں نکاح و بیاہ کی شدید مخالف ہے۔

نعرہ ’میرا جسم، میری مرضی‘ کے کسی تاریخی و علمی پس منظر سے قطع نظر، اس کے ظاہری الفاظ درج ذیل غلط معانی کی نشاندہی کرتے ہیں:

① جسم انسان کی ملکیت نہیں، اللہ کی امانت ہے: اس نعرے میں ’جسم کو میرا‘ کہا گیا ہے، حالانکہ اگر جسم انسان کی ملکیت ہوتا تو خود کشی کرنا جائز ہوتا، اور انسان کے لئے اپنے جسمانی اعضاء کی خرید و فروخت بھی جائز ہوتی، جسے ہر تہذیب ہی برا اور ناجائز قرار دیتی ہے۔ جسم تو اسی رب العزت کی ملکیت ہے جس نے رحم مادر سے انسان کو پیدا کر کے، گوارے اور کمزور بچپن کے بعد جوان کیا۔ اور ان تمام مراحل میں والدین اور عزیزوں کے دلوں میں اس سے محبت ڈالی اور ان کی یہ ذمہ داری قرار دی کہ وہ امراض سے بچاؤ اور لباس کے ذریعے اس کی حفاظت کر کے اس کی تعلیم و تربیت کے فرائض انجام دیں۔ سو جسم تو انسان کا نہیں بلکہ سر اسر اللہ کریم کی عطا اور امانت ہے!!

② ہماری آزادی ’ہدایتِ نبوی‘ سے مشروط ہے! ’میری مرضی‘ کے نظریہ کو مطلقاً درست نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ اپنے وجود اور خواہشات پر ایک مسلمان کلمہ پڑھ لینے کے بعد، اللہ کی مرضی کو تسلیم کرنے کا عہد کرتا ہے۔ مسلمان کا مطلب ہی یہ ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات آئے تو وہ سمیعنا و اطعنا کہہ کر سر تسلیم خم کرے، اسی کو ’اسلام‘ کہتے ہیں۔ یہ بجا کہ اسلام نے بعض جگہ انسان کو مرضی کا اختیار دیا ہے، لیکن غیر مشروط مرضی اور مادر پدر آزادی دراصل خالق سے بغاوت ہے جس کا کوئی مسلمان متحمل نہیں ہو سکتا۔ الغرض کلمہ طیبہ کے پہلے جزیں جب رب کریم کو اپنا معبود اور دوسرے جزیں

میں اس کے رسول کی طاعت کا دم بھر کر مسلمانی کا اعتراف کیا گیا ہے تو پھر یہ پورا نعرہ ہی اس کلمہ طیبہ کی مخالفت کرتا ہے۔ اس نعرے کے مضمرات پر غور کریں تو پورا اسلام ہی اس کے نشانے پر ہے!

③ نکاح سے بالاتر، جنسی تعلقات: میرا جسم میری مرضی کا ظاہری مطلب دراصل نکاح سے بالاتر ہو کر مرضی کی بنا پر جنسی تعلقات کا فروغ ہے۔ عورت کے جسم سے ہمارے محاورے میں صنفی تعلق ہی مراد لیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ اگر نکاح کی پابندی کی مذمت، آوارگی اور بد چلنی کے فروغ کے نعرے کو بھی ملا لیا جائے تو اس کا واضح مطلب یہ بتا ہے کہ جنسی تعلق کی بنیاد نکاح نہیں بلکہ صرف انسانی مرضی ہونی چاہیے۔ جو مرضی اگر نکاح سے قبل موجود ہو تو وہ تعلق جائز اور اگر نکاح کے بعد بھی وقتی طور پر موجود نہ ہو تو وہ 'ازدواجی جبری زنا' کہلاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس نعرے کے پس منظر، ماحول، اور بنیاد کے پیش نظر اس سے وہی مفہوم لیا جائے گا جو مغربی تہذیب اور تحریک نسواں صنفی تعلق کو دیتی آئی ہے۔ اور مغرب کا پیش کردہ یہ صنفی تعلق نہ صرف عوامی طور پر ان نعروں کے ذریعے فروغ پاتا ہے بلکہ اس سے قبل قانونی طور پر اکثر ملکی قوانین میں نافذ بھی کیا جا چکا ہے، حتیٰ کہ فیمنسٹ خواتین کے مطالبے کے تحت پاکستان میں بھی شادی کے بعد جبری زنا کا قانونی تصور موجود ہے جس کو عوامی سطح پر فروغ دینے کے لئے ایسے الٰہادی نعرے عام کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ایک مسلمان کے نزدیک شادی سے قبل زنا بالرضا بڑی فحاشی اور بدترین گناہ ہے، اور نکاح کے بعد شوہر کو جو استحقاق نبی کریم ﷺ نے دیا ہے، یہ نعرہ شریعت کی ان واضح تعلیمات سے سیدھا سیدھا متصادم ہے۔ دوسری طرف اس امر میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ بیوی سے حسن سلوک کے شرعی تقاضے کے پیش نظر شوہر کو بیوی سے بے رحمانہ رویے سے گریز کرنا چاہیے اور بیوی کو بھی چاہیے کہ وہ بے راہ روی سے رکنے میں اپنے شوہر کی مدد کرے۔

④ قبل از بلوغت جنسی تعلق: کہا جاتا ہے کہ اس نعرے کے ذریعے نابالغ بچیوں سے جنسی زیادتی کی مذمت یا چھوٹی عمر میں حصول اولاد کی ممانعت کی تلقین کی گئی ہے۔ اگر اس نعرے سے مراد صلاحیت کے بعد جنسی تعلق یا اولاد کے حصول کی مرضی ہے، تو اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ طبی طور پر اگر کوئی بچی یا خاتون واقعہ اس کی متحمل نہیں تو اس سے یہ زیادتی بالکل نہیں ہونی چاہیے اور اگر کوئی عورت یا مرد عارضی طور پر اولاد سے گریز کرنا چاہتے ہیں تو اس معاملے میں کسی ایک پر انحصار کی بجائے زوجین کی مشترکہ رائے کا لحاظ ہونا چاہیے۔ اور اسلام نسلی صلاحیت کے دائمی خاتمے سے بہر حال منع کرتا ہے۔ ظاہر

ہے کہ ان جائز مطالبوں کے لئے نعرے بھی ایسے موزوں ہونے چاہئیں جس میں ان معانی کی ایسی براہ راست نشاندہی پائی جاتی ہو جو گمراہی اور خلطِ مبحث کا پیش خیمہ نہ بن سکے۔ موجودہ صورت میں یہ نعرہ اعتدال اور شوہر سے مشاورت کی بجائے اکیلی عورت کی من مانی کا عکاس ہے۔

⑤ اسقاطِ حمل کی اجازت: جہاں تک اسقاطِ حمل کے لئے اس نعرے کے استعمال کی بات ہے، تو ابھی تک اسقاطِ حمل کے جواز پر مغرب میں بھی اتفاق نہیں ہو سکا اور یہ بیسیوں ممالک میں تاحال ایک جرم ہے اور اسلام کی رو سے ایسا کرنا تو سراسر زندہ انسان کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ فیمنسٹ موومنٹ کو اپنے نعروں میں متنازعہ امور کی بجائے مسلمات سے پیش قدمی کرنی چاہیے۔ وگرنہ نظریاتی اور تحریکی شدت سے مسائل حل کی بجائے مزید الجھاؤ کی طرف ہی جاتے ہیں۔ ایک طرف عورت کا اختلافی حق ہے اور دوسری طرف ایک انسان کی زندگی سے کھیلنے کا مطالبہ ہے، جس کو کون ذی عقل ہوش مندی اور اعتدال قرار دے گا۔

① بچیوں سے زیادتی کی مذمت: اگر اس نعرے سے مراد بچیوں سے بدکاری یا ریپ Rape کا خاتمہ ہے، تو اپنے مطالبے کو نہ صرف سیدھے الفاظ میں بیان کرنا چاہیے بلکہ اس سلسلے میں اسلام کی دی گئی سزاؤں سے بھی اتفاق کرنا چاہیے۔ پہلی صورت میں اس کی سزا سفاک مجرم کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور دوسری صورت میں اسے علانیہ سنگسار کرنا ہے۔ ان دونوں سزاؤں سے بڑی سزا مجرم کو دنیا کی کوئی تہذیب اور قانون نہیں دیتا اور اس کے بغیر ان جرائم کا خاتمہ بھی ممکن نہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ فیمنزم میں ریپ کو تو جرم کہا جاتا ہے لیکن زنا کو جرم نہیں سمجھا جاتا۔ گویا کہ اصل خرابی فعل بد میں نہیں بلکہ عدم رضامندی میں ہے۔ اگر ان جرائم کا خاتمہ مقصود ہے تو سیدھے الفاظ میں اسلامی سزاؤں کو نافذ کرنے کا مطالبہ کریں، وگرنہ ایک اسلامی معاشرہ میں مغربی تہذیب کے نعرے اور استعارے دسیوں تاویلوں کے باوجود کب تک راہ پائیں گے، اور یہی عورت مارچ کی جدوجہد کا اصل محور و مدعا ہے کہ اپنے حقوق اسلام کی بجائے مغربی تہذیب کی بنا پر مانگے جائیں اور اسی بات پر ہی عالمی اداروں سے فنڈنگ اور عالمی میڈیا سے سپورٹ ملتی ہے!!

☆☆



میرے رفیق، میرے عزیز؛ مولانا عبدالصمد رفیقی رحمۃ اللہ علیہ

چند باتیں / چند یادیں... ماضی کے دروچے سے!

مولانا عبدالقوی لقمان کیلانی^۱

اس عالم فانی میں یقیناً کچھ ایسی ہستیاں جنم لیتی ہیں جن کی زندگی دوسروں کے لیے مشعلِ راہ ہوتی ہے۔ جب وہ عالمِ جاودانی کی جانب کوچ کر جاتے ہیں، تو اپنے پیچھے ایسے بہت انٹ سنہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں کہ ان کا سفرِ آخرت بھی اللہ جل شانہ کی مخلوق کے لیے قابلِ رشک بن جاتا ہے اور جن کی باعمل اور پاکیزہ زندگی کے باوصف اپنی کم مائیگی کا احساس مزید بڑھ جاتا ہے اور بے ساختہ زبان پر یہ الفاظ آجاتے ہیں:

أحبّ الصالحین ولست منهم لعل الله تعالیٰ یرزقنی صلاحاً

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ صحیح سند کے ساتھ عبد اللہ بن احمد کے حوالے سے نقل کرتے ہیں، انہوں نے اپنے والد

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے سنا: "قولوا لأهل البدع: بیننا و بینکم یوم الجنائز." ^۲

"اہل بدعت سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان جنازوں کے دن فیصلہ ہو گا۔"

امام ابن حاتم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: "میں نے سنا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جس دن وفات پائی، اس دن ۲۰

ہزار یہودی، عیسائی اور مجوسی حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔"

مولانا عبدالصمد رفیقی کیلانی مرحوم ان پُر عزم، باکردار اور باعمل علمائے کرام میں سے ایک تھے جو سلف

صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے منہج کے امین اور ساتھ ہی اپنے خلف کے لیے عملی نمونہ ہیں۔ جزاہم اللہ أحسن الجزاء

میرے ان کے ساتھ کئی رشتے تھے: میرے بچپن کے ہم جولی، میرے ہم کتب، مدینہ طیبہ میں میرے ہم

سفر اور قرابت داری میں میرے پچازاد بھائی اور اس پر مستزاد یہ کہ ایک رہائشی علاقہ اور پھر مدینہ یونیورسٹی سے

^۱ فاضل جامعہ لاہور الاسلامیہ ۱۹۸۳ء... فاضل مدینہ یونیورسٹی ۱۹۸۸ء

^۲ سؤالات السلمی للدارقطنی لـ محمد بن الحسین السلمی النیسابوری: ص ۳۶۱

فراغت کے بعد علمی و تدریسی سرگرمیوں میں بھی ہم آہنگی وغیرہ۔
مگر مشیت ایزدی دیکھیے کہ ہم دونوں ایک راہ کے راہی اور ایک نصب العین کے متلاشی، مگر انہوں اپنا
دینی و دعوتی مقرر (مرکز) اپنے آبائی علاقے کو بنایا اور قرآنی تعلیمات بھی اسی بات کی طرف راہنمائی کرتی ہیں۔
اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ فَكُلُوا مِنْ كُلِّ فَرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَ لِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ
لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴾ ﴿التوبة: ۱۲۲﴾

”پھر ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر گروہ میں سے کچھ لوگ دین میں سمجھ پیدا کرنے کے لیے نکلتے کہ جب وہ ان
کی طرف واپس پلٹتے تو اپنے (علاقے کے) لوگوں کو (برے انجام سے) ڈراتے۔“
جبکہ میں چند سالوں بعد متحدہ عرب امارات منتقل ہو گیا اور ہنوز وہیں پر مصروف عمل ہوں۔

میرے رفیق، رفیقی مرحوم

میرے علم و عمل کے خوگر اس پیارے بھائی سے پہلی ملاقات موضع کھیالی میں ایک شادی کے موقع پر
ہوئی، جہاں حُسنِ اتفاق سے، دیگر مہمانوں کے ساتھ، رات ایک ہی ہال میں اکٹھے گزاری۔
ہم دونوں اس وقت ’طفلِ کتب‘ تھے۔ میں ہائی سکول میں جبکہ رفیقی مرحوم جھوک داؤد (چک طوران) میں
زیر تعلیم تھے۔ وہاں صبح جب انہوں نے بعد نماز فجر چارپائی پر کھڑے ہو کر جماعت اہل حدیث کے عظیم مبلغ
حضرت مولانا محمد حسین شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ کے اسلوب میں توحید کے چند نکات بیان کیے تو میں ورطہ حیرت میں
ڈوبا، انگشت بدنداں ہو گیا اور اسی وقت ہی، توفیق اللہ تعالیٰ یہ جذبہ دل میں کروٹیں لینے لگا کہ میٹرک کے
امتحان کے فوراً بعد ہی علم و وحی کے حصول کے لیے کسی دینی مدرسہ میں زانوے تلمذ تہہ کروں گا۔ گویا اس اعتبار
سے عبدالصمد رفیقی مرحوم میرے رفیق اور عزیز ہی نہیں بلکہ رہبر و رہنما بھی تھے۔ جزاء اللہ أحسن الجزاء
پھر اسی ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے، بفضل اللہ تعالیٰ امتحان سے فارغ ہوتے ہی میں جھوک داؤد
قصبے میں پہنچا، وہاں اس وقت صدر مدرس حضرت مولانا عتیق اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے جو کہ بقیۃ السلف حضرت مولانا
میاں باقر رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند تھے، انہوں نے شرفِ باریابی بخشا، شدید گرمی میں دوپہر کے وقت ایک کھلے
برآمدے میں تشنگانِ علم دین کی زبانوں سے قال اللہ تعالیٰ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں گرم فضا کو
معطر کیے ہوئے تھیں۔ طلبہ کا جذبہ ایمانی دیدنی تھا، جن کی صفوں میں مجھے مولانا رفیقی مرحوم بھی بیٹھے نظر

آئے، نظریں ملتے ہی حسبِ عادت مسکراہٹ چہرے پر پھیل گئی اور ساتھ ہی انہیں میری میزبانی کی فکر پڑ گئی۔
عبدالصمد رفیقی، کیسے بنے؟

جھوک دادو جیسے چھوٹے سے مگر پُر وقار قصبے میں مختصر قیام کے دوران انہوں نے مجھے بہت کچھ بتا اور سمجھا دیا۔ اسی دوران وہ ایک خوبصورت رنگ دار کپڑے میں لپیٹی ہوئی کتاب نکال لائے اور رازدارانہ انداز سے مجھے کچھ دکھانے لگے، کتاب کے رنگین سرورق پر ۱۹۶۵ء کی 'پاک و ہند جنگ کے سرفروشوں' جیسا کوئی عنوان رقم تھا جو اب مجھے پوری طرح یاد نہیں۔ مجھے اس وقت پتہ چلا کہ ہمارے ہر دل عزیز بھائی کے دل میں دین کی تڑپ کے ساتھ ساتھ جذبہ حب الوطنی کس قدر رچا بسا ہے۔ وہ پوری توجہ اور ذوق کے ساتھ مجھے ایک ایک سرفروش مجاہد کی مختصر کہانی بھی سنارہے تھے اور تصاویر بھی دکھاتے جارہے تھے۔ ان پاکستانی سرفروشوں میں غالباً سب سے زیادہ ان کی توجہ سکواڈرن لیڈر سرفراز احمد رفیقی شہید رحمۃ اللہ علیہ پر تھی جنہوں نے ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو جرات ایمانی اور بہادری کے وہ جوہر دکھائے کہ انہیں ایک کے بجائے ۲ تمغوں سے نوازا گیا: ہلالِ جرات اور ستارہ جرات

رفیقی مرحوم ان پاکستانی شہدائی کارکردگی سے بہت متاثر تھے، یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اوائل عمری میں اپنے نام کے ساتھ رفیقی لکھ لیا تھا اور بعد میں شاید اس کو ہٹانہ پائے۔ یہ میری بالکل ابتدائی معلومات کا حصہ ہے۔ اگر بعد میں اپنے نام کے ساتھ رفیقی (لاحقہ) لکھنے کی کوئی اور وجہ بنی تو اس بارے ان کی اولاد بخوبی جانتے ہوں گے جیسا کہ اب ان کے بیٹے ابو بکر نے بھی ماشاء اللہ رفیقی لکھنا شروع کیا ہے۔ واللہ أعلم بالصواب
اسی طرح میرے ساتھ ہوا کہ منڈی وار برٹن میں مقیم ایک معروف خاندان کے فرد حکیم عبدالقیوم رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند حکیم خلیل احمد نے ایک بار پرچی پر میرے نام کے آگے 'لقمان' لکھ دیا۔ میں نے اپنا میٹرک کا داخلہ فارم اسی نام عبدالقوی لقمان کے ساتھ مکمل کیا، آج تک یہی نام چلا آتا ہے اس لیے کہ شناختی کارڈ وغیرہ میٹرک کی سند کی بنیاد پر بنتا ہے، شناختی کارڈ کے بعد نام بدلنا جان جو کھوں کا کام ہے۔

اکتسابِ علم اور جامعہ لاہور الاسلامیہ (رحمانیہ) میں رفاقت

میں نے پہلے جامعہ سلفیہ، فیصل آباد میں دینی تعلیم کے حصول کے لیے داخلہ لینے کا ارادہ کیا، بعد ازاں معلوم ہوا کہ عبدالصمد رفیقی مرحوم بھی مدرسہ چھوڑنے کا سوچ رہے ہیں، تو ہمارے بڑے بزرگوں والد گرامی قدر، محترم چچا جان عبدالغفور، محترم چچا جان محمد مسلم اور خاص طور پر ہمارے مربی اور استاذ محترم چچا جان عبد

السلام کیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے باہمی مشورے سے یہ طے پایا کہ تینوں لڑکوں: حافظ عاکف سعید مرحوم، عبد الصمد رفیقی مرحوم اور راقم (عبد القوی لقمان) کو اکٹھے ایک ہی جگہ جامعہ لاہور الاسلامیہ میں داخل کرایا جائے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت ہم سب کے لیے قابل قدر ہستی، ہمہ وقت بھلائی اور خیر و برکت کی طرف ہماری رہنمائی کرنے والے چچا جان محمد سلیم رحمۃ اللہ علیہ کی ہمیں رفاقت بھی نصیب ہو گئی۔ وہ اس وقت روپڑی خاندان کی ایک بڑی ہاؤسنگ سوسائٹی 'اعظم گارڈن ٹاؤن' کے سپروائزر تھے اور جامعہ لاہور الاسلامیہ کی گارڈن ٹاؤن میں زیر تعمیر نئی عمارت کے بھی ذمہ دار تھے۔ ہم سب کا ایک جگہ پر اکٹھے ہونا جہاں ایک بڑی سعادت تھی، وہاں خوشی اور اطمینان کا باعث بھی۔

لاہور کی اس مادر علمی میں ہم نے بفضل اللہ تعالیٰ چار سال تک مسلسل اکٹھے ہی اکتساب علم کیا۔ اس دوران قابل ذکر امر یہ تھا کہ شاید ہی اس عرصہ میں، میں نے مولانا رفیقی مرحوم کو کسی سے اُلجھتے، لڑتے، یا یکسیدہ خاطر ہوتے دیکھا ہو۔ ہم نے خوش طبعی کے طور پر، ایک دوسرے کے علامتی نام بھی رکھے ہوئے تھے۔ یہ نام بھی مزاجوں کے مطابق از خود ہماری زبانوں پر آگئے تھے اور ہم انہی علامتی ناموں سے ایک دوسرے کو پکارتے اور خوش ہوا کرتے تھے۔

مولانا عبد الصمد رفیقی صاحب غالباً ہم دونوں سے قدرے بڑے تھے، ان کا نام تھا: 'آپ جی'... پیارے بھائی حافظ عاکف سعید مرحوم اچھا لباس پہننے کے شوقین اور نفیس مزاج رکھتے تھے، ان کا نام 'صاحب جی' جبکہ میرا نام تھا: 'جناب جی'... اب یہ میرے دونوں پیارے اور صالح بھائی اپنے حقیقی خالق و مالک کے جو ار علیین میں پہنچ چکے ہیں: اللہم لا تحرمننا أجرہم ولا تفتننا بعدہم!

ذہبَ الرَّجَالِ الْمُقْتَدَى بِفَعَالِهِمْ
وَبَقِيَّتُ فِي خَلْفِ يُزْكِي بَعْضُهُمْ
وَالْمُنْكَرُونَ لِكُلِّ أَمْرٍ مُنْكَرٍ
بَعْضًا لِيَدْفَعِ خَذْمُوعٍ عَنِ مُعْوَرٍ

ہمارے اساتذہ کرام

یہاں میں اپنے ان چند انتہائی مخلص ہمدرد، خیر خواہ اور علم و عمل سے مرصع اساتذہ کرام کا ذکر نہ کروں جن کے سامنے ہم نے ان باسعادت دنوں میں زانوئے تلمذتہہ کیے تو بات تشنہ رہ جائے گی۔

ان دنوں (۱۹۸۰ء تا ۱۹۸۴ء) ہماری مادر علمی جامعہ لاہور الاسلامیہ کا ایک شعبہ 'مدرسہ رحمانیہ' کے نام سے لاہور کے نواحی قصبہ ہنجر وال (اعظم گارڈن) ملتان روڈ میں واقع تھا۔ ہم تینوں بھائیوں نے علم و وحی کے اکتساب کا

آغاز اسی مادرِ علمی کی آغوش میں کیا، جہاں اللہ جل شانہ نے اس پاکیزہ مقصد کے حصول کے لیے ہمیں علوم و فنون میں ماہر اور ساتھ ہی ساتھ تقویٰ و ورع میں ایک عملی نمونہ رکھنے والے اساتذہ کرام مرحمت فرمائے۔

① ان میں سر فہرست جامعہ لاہور الاسلامیہ کے سرپرست اعلیٰ اور ہمارے محسن و مربی ڈاکٹر مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنہوں نے بڑی محنت کے ساتھ اہل علم و فضل کی جماعت کو تدریس کے لئے یکسو کر رکھا تھا، جن سے علوم نبوت سیکھنے والے طلبہ کا خوبصورت گلشن لہلہاتا تھا۔ آپ کمالِ شفقت و محبت سے دورانِ تعلیم ہماری حوصلہ افزائی فرمایا کرتے، ہفتہ میں ایک بار ضرور وہ ماڈل ٹاؤن سے درسگاہ تشریف لاتے اور تمام طلبہ سے ملاقات کرتے، ان کے مسائل سنتے، نیز ضرورت مند طلبہ کی مادی مدد کے لیے بھی اعلان فرماتے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ عننا خیر الجزاء

وہ مدرسہ میں زیر تعلیم طلبہ کو ہمیشہ اپنے بچے کہہ کر مخاطب ہوتے۔ ہم تینوں برادران کی جانب وہ خصوصی توجہ رکھتے اور نصیحتیں بھی فرماتے، ان کا یہ فیض ہنوز جاری و ساری ہے۔ متعنا اللہ تعالیٰ بطول حیاتہ ہمارے دیگر اساتذہ کرام کی ایک لمبی فہرست ہے جو ان دنوں یہاں تدریس فرمایا کرتے۔ اختصار کے پیش نظر صرف اسمائے گرامی اور مختصر تذکرے پر ہی اکتفا کروں گا:

② مولانا صادق خلیل فیصل آبادی رحمۃ اللہ علیہ: علم کے بحر بے کراں جن سے آغاز میں ’تفسیر جلالین‘ کے چند اسباق پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔ وہ اس وقت جامعہ لاہور الاسلامیہ کے مہتمم اور نگرانِ اعلیٰ بھی تھے۔

③ شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی رحمۃ اللہ علیہ: جن کا علم و فضل کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ان کا محض ہماری درسگاہ میں مسند تدریس پر متمکن ہونا ہی ہم سب کے لیے باعثِ فخر تھا۔ ہمیشہ آرزو رہتی تھی کہ محترم حافظ صاحب سے علمی استفادہ کا موقع میسر آئے مگر علم وراثت کی کتاب السراجی کے چند اسباق اس وقت پڑھنے کا موقع ملا جب ہم مدینہ یونیورسٹی میں جانے کے لیے رختِ سفر باندھ رہے تھے۔

④ ڈاکٹر حافظ عبدالرشید اظہر رحمۃ اللہ علیہ: جو علم فقہ و ادب کے شہسوار تھے۔ کچھ عرصہ ان کے زیر تربیت دیوان الحماۃ کا کچھ حصہ پڑھا۔

⑤ قاری نعیم الحق نعیم رحمۃ اللہ علیہ: جو تقویٰ و پرہیزگاری میں سلف رحمۃ اللہ علیہ کی مثال تھے۔ فن حدیث اور عربی قواعد میں آپ کو کمال مہارت حاصل تھی۔ جامع ترمذی کا مکمل حصہ انہی کے زیر سایہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔ آپ محدثین کے محب اور خصوصاً صاحب تحفۃ الاحوذی علامہ عبدالرحمن مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کے شیدائی تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں کمال کا حافظہ اور شعر و ادب کا اعلیٰ ذوق و دہانت کیا تھا۔ برجستہ اور موقع پر شعر کہہ دیا کرتے اور اس طرح حلقہ تدریس میں شگفتگی کی لہر دوڑ جاتی اور محفل کشت زعفران بن جاتی۔ بطور مثال ہمارے ایک ساتھی اکثر و بیشتر صبح حدیث کے پیریڈ میں لیٹ ہو جایا کرتے، کوشش کے باوجود کوئی نفسیاتی مسئلہ تھا اور اکثر استاذ محترم ہلکی سی سرزنش بھی کر دیتے اور وہ آگے سے فوری معذرت پیش کر دیتے۔ یہ سلسلہ کچھ دن جاری رہا، تو ایک صبح حسب معمول وہ لیٹ آئے اور معذرت کے لیے معقول وجہ بتانے کا آغاز کیا کہ شاید میرے سر میں درد تھا وغیرہ تو استاذ محترم نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ یہ شعر پڑھا:

عمر! اور کہا: ایسے کہو!

کمزور تھی میری صحت بھی اور کمزور میری بیماری بھی
صحت میں رہا، کچھ کر نہ سکا بیمار پڑا، تو مر نہ سکا!!

استاذ محترم جناب نعیم الحق رحمۃ اللہ علیہ جب درس حدیث کا آغاز فرماتے تو جی چاہتا کہ ان کا ہر جملہ لکھ لیا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ کلاس میں اکثر ساتھی اور خاص طور پر راقم الحروف اور میرے رفیق مولانا عبد الصمد رفیقی رحمۃ اللہ علیہ پورا درس اور اس کے نکات احاطہ تحریر میں لاتے۔ رفیقی مرحوم کی انتہائی دقیق تحریر چھوٹے چھوٹے جملے اور خاص طرزِ کتابت میں لکھے جانے والے جامع ترمذی کے علمی نکات آج بھی لازماً محفوظ ہوں گے جو کہ اہل علم حضرات کے لیے اور خصوصاً طلباء کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ہیں۔

① شیخ عبد الرحمن عظیمی رحمۃ اللہ علیہ جو عقیدہ، تفسیر اور عربی قواعد میں گہری دسترس رکھتے تھے، ہم نے ان سے علم تفسیر میں استفادہ کیا۔

② استاذ محترم فاروق صارم رحمۃ اللہ علیہ جنہیں علم الفرائض میں کمال حاصل تھا، ہم نے ایک عرصہ ان سے علمی استفادہ کیا۔ میں اور مولانا عبد الصمد رفیقی رحمۃ اللہ علیہ نے خاص دلچسپی کے ساتھ ان کے دروس لکھے بھی اور یاد بھی کیے۔ مولانا مرحوم کے حلقہ درس میں لکھے ہوئے وہ دروس آج بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔ مشکوٰۃ المصابیح بھی انہی سے پڑھی۔

③ شیخ الحدیث حافظ عبد اللہ بھٹوی رحمۃ اللہ علیہ شیخ محترم سے براہ راست پڑھنے کا موقع نہیں ملا، البتہ وہ نماز کے بعد بسا اوقات پورے ہال میں درس ارشاد فرماتے۔

④ استاذ محترم مولانا عتیق اللہ رحمۃ اللہ علیہ: سنن ابن ماجہ، مشکوٰۃ المصابیح اور تفسیر جلالین کے سلسلے میں ان سے

اکتاب علم کا موقع ملا۔

⑩ شیخ التفسیر مولانا عبد السلام ملتانی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ ہماری مادر علمی کا عظیم سرمایہ تھے، جن سے ہم نے، ہمارے شاگردوں نے اور ہمارے بعض اساتذہ نے بھی استفادہ کیا اور کرتے رہے۔ اللہ جل شانہ بہتر جزا دے اور انہیں مقام عظیمین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

⑪ مولانا عطاء الرحمن ثاقب رحمۃ اللہ علیہ: ہمارے ساتھی بھی تھے اور استاذ بھی۔ اللہ جل شانہ نے بڑی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ عربی ادب میں خاصی مہارت تھی۔ ہمیں کچھ عرصہ عربی ادب کی کتاب الاُسلوب الصحیح پڑھاتے رہے۔

⑫ مولانا عبد الرشید ملتانی رحمۃ اللہ علیہ: جو کہ مدرسہ خیر المدارس ملتان سے فارغ التحصیل تھے، مدرسہ رحمانیہ میں لمبا عرصہ تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ فنی کتب تدریس میں خاصی مہارت رکھتے تھے، ہم نے مختلف اصول کی کتابیں ان سے پڑھیں۔

⑬ شیخ عبید الرحمن آف کامو کی رحمۃ اللہ علیہ: ہم نے کچھ ان سے الدرر البہیة اور عربی ادب کی کتاب پڑھی۔

⑭ استاذ محترم سعید مجتبیٰ سعیدی رحمۃ اللہ علیہ: نہایت مشفق، خوش خلق اور مخلص استاذ تھے۔ مگر زیادہ استفادہ کا موقع نہیں ملا اور دیگر وہ اساتذہ کرام جن کے نام راقم الحروف کے ذہن میں نہیں۔

اللہ جل شانہ سب کو اجر عظیم اور ثواب جزیل عطا فرمائے۔ خاص طور وہ جو رحیم و کریم پروردگار کے جوار میں پہنچ چکے ہیں۔

مولانا رفیقی مرحوم کی مدینہ طیبہ آمد اور راقم سے ملاقات

ہمیں یہ سعادت ملی کہ ہم دونوں کا جامعہ لاہور الاسلامیہ سے مدینہ یونیورسٹی میں داخلہ ہو گیا۔ میں مولانا رفیقی مرحوم سے کچھ عرصہ قبل مدینہ منورہ پہنچ گیا تھا، وہ جب تشریف لائے تو مجھے اُن سے پہلی ملاقات کا شرف حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوا۔ وہ سیدھے ایئر پورٹ سے حرم پہنچے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ وہ نماز مغرب سے کچھ وقت پہلے حرم میں داخل ہوئے تھے، سفر کی مکان اور پیاس کی شدت چہرے سے عیاں تھی۔ میں انہیں لے کر پہلے سیدھا حرم کے نواح میں مشروبات کی ایک دوکان پر آیا، جہاں ان کی چاہت کے مطابق ٹھنڈا شربت پلایا، جسے پی کر بے حد خوش ہوئے اور میرا شکریہ ادا کرنے لگے۔ اس واقعہ کو ذکر کرنے کا اصل مقصد یہ ہے کہ بعد میں جب بھی ان سے ملاقات کا موقع ملتا، منڈی دار برٹن یا چاندی کوٹ یا دار السلام، لاہور میں

ملاقات ہوتی تو وہ مجھے حرم نبوی کے پاس پینے والا شربت یاد دلا کر اس کی لذت کا تذکرہ کرتے اور پھر سے اظہارِ تشکر کے جذبات سے لبریز ہو جاتے، ساتھ ہی میزبانی کا اہتمام شروع ہو جاتا۔

مدینہ طیبہ میں اقامت اور ایک ناخوشگوار واقعہ

مولانا رفیقی مرحوم ایک تو اللہ جل شانہ کی واحدانیت اور عقیدہ توحید کا بڑے جذباتی انداز سے تذکرہ کرتے اور دوسری جانب حُبِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے شیدائی، نیز حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی والہانہ عقیدت رکھتے تھے، اسی جذبہ کے تحت انہوں نے یونیورسٹی کے کلیۃ الحدیث میں داخلہ لے لیا تھا۔ دورانِ تعلیم ہر سال موسم سرما کی تعطیلات میں جامعہ کی طرف سے تفریحی و علمی پروگرام تشکیل دیئے جاتے۔ ہم نے اکٹھے ایک ساتھ نام لکھوائے اور پہلے ہم نے عمرہ ادا کیا، بعد ازاں ایک ہفتہ عشرہ کے لیے معروف سعودی شہر ینبع کے ساحل پر جاخیمہ زن ہوئے۔ وہاں مختلف قسم کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے ہوئے ہم نے فٹ بال کی ٹیم میں بھی نام لکھوایا تھا۔ مولانا رفیقی مرحوم مجھ سے کہیں بڑھ کر جوش و خروش کے ساتھ کھیل کا مظاہرہ کر رہے تھے، غالباً حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم «الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ وَفِي كُلِّ خَيْرٍ» کے مصداق وہ جسمانی و ورزشی کھیلوں میں خاصی دلچسپی لیتے تھے، اور کسی نتیجے کی پرواہ کئے بغیر مشکل اور کٹھن جگہ کا انتخاب کرتے تھے۔ اسی کشمکش میں ایک بار ان کی مڈھ بھیڑ اپنے سے خاصے لمبے اور مضبوط نیکرو کھلاڑی سے ہو گئی، اس نے جو پوری قوت سے گیند کو کک لگائی تو سیدھی رفیقی مرحوم کی ٹانگ پر لگی، نتیجتاً ان کی ٹانگ اس طرح سے فریکچر ہوئی جیسے کوئی سوکھی ٹہنی ٹوٹ کر گرتی ہے۔

اس حادثہ کے فوراً بعد، پہلے انہیں ایمر جنسی میں، ینبع کے مقامی ہسپتال میں داخل کیا گیا، بعد میں انہیں مدینہ منورہ میں، مستشفیٰ ملک فہد، منتقل کر دیا گیا۔ وہاں ڈاکٹر زان کی ٹانگ کا آپریشن کرنا چاہتے تھے۔ اس پر ہم نے فوری طور پر طائف میں مقیم اپنے قابلِ صدا احترام بھائی جان ڈاکٹر حبیب الرحمن کیلانی سے رابطہ کیا، ریاض میں بڑے بھائی جان محترم عبد المالك مجاہد صاحب سے بات کی۔ محترم بھائی محمد آصف اور محترم چچا سیف الرحمن صاحبان کے باہمی مشورے سے طے پایا کہ فی الحال رفیقی صاحب کو طائف لے آیا جائے۔ ایک بین الاقوامی اور سرکاری یونیورسٹی سے غیر معینہ مدت کے لیے طائف منتقلی بھی ایک بڑا چیلنج تھی۔ بہر حال اللہ

۱ صحیح مسلم: باب فی الأمر بالقوة وترك العجز والاستعانة بالله وتفويض المقادير لله: ۲۶۶۴

جل شانہ کی مدد شامل حال تھی۔ بڑے بھائیوں نے بھرپور تعاون فرمایا اور اس طرح مولانا رفیقی صاحب اپنے محسنین کے زیر نگرانی طائف میں زیر علاج رہے۔ جزاہم اللہ أحسن الجزاء

علم و عمل کا حسین امتزاج

اللہ جل جلالہ کے فرمان کے مطابق ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (الفطر: ۲۸)
 ”اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے اہل علم ہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی ڈر رکھتے ہیں۔“

مولانا رفیقی مرحوم خشیتِ الہی سے معمور تھے۔ جہاں کہیں اور جب بھی کوئی محصیت کا کام دیکھتے تو پریشانی سے چہرے کے خدو خال بدل جاتے۔ غیبت اور چغلی سے اس حد تک نفرت تھی کہ محسوس کرتے ہی طبیعت خراب ہونے لگتی۔ روکنے کی کوشش کرتے، اگر بس نہ چلتا تو وہاں سے رنو چکر ہو جاتے۔

مولانا رفیقی مرحوم کو محفل میں حق بات کہنے سے کوئی باک نہیں تھا، کئی بار ایسے اتفاق ہوا کہ مجلس میں احباب بیٹھے ہوتے۔ اچانک اذان کی آواز آتی تو ان کی گفتگو کا انداز بدل جاتا اور ساتھ ہی نماز کی ادائیگی کے لیے تگ و دو شروع ہو جاتی۔ اپنے اہل خانہ اور بچوں کو بھی، اللہ جل شانہ کے فرمان:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ (طہ: ۱۳۲)

”اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دو اور اس پر ثابت قدم رہو۔“

کے مطابق دینی تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کرنے کے لیے مسلسل جدوجہد اور ان تھک محنت کی جس کا ثمرہ اب ایک بار آور اور تناور گلستان کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے۔

میری معلومات کے مطابق آپ اپنی زندگی کے آخری لمحات تک مدرسۃ مرآة القرآن کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث تھے۔ ساتھ ساتھ ہی عالمی اشاعتی ادارے دار السلام، میں علمی خدمات سرانجام دیتے ہوئے معروف دینی درسگاہ ’الرحمۃ انسٹیٹیوٹ‘ اور برٹن میں بطور سینئر مدرس بھی کام کر رہے تھے۔ خاصاً عرصہ پہلے میں نے سنا تھا کہ انہوں نے قرآن حکیم کا حفظ شروع کیا تھا، معلوم نہیں کہ سارا قرآن حکیم حفظ کرائے تھے یا نہیں؟ ان کے بچے اس بارے میں بہتر بتا سکتے ہیں وہ خود اس بارے صریحاً کسی کو نہیں بتاتے تھے۔ مولانا عبد الصمد رفیقی مرحوم کی زندگی کھلی کتاب کی طرح تھی۔ ہر دم آخرت کی فکر اور رحمۃ للعالمین کی سنت کی اتباع میں سرشار۔ ان کی موت سے کچھ دیر پہلے کی لکھی گئی وصیت ہم سب کے لیے ایک روشن دلیل بھی ہے اور لمحہ فکریہ بھی، جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس بارے میں پوری امت کو ہدایت کی۔

سادگی اور تواضع

علمائے ربانی کا طرہ امتیاز ہوا کرتی ہے۔ علم و وحی ان اوصاف کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ سادہ اور صاف ستھرے کپڑوں میں ملبوس، لمبی اور سنت کے مطابق ڈاڑھی، شلوارِ شٹنوں سے بلند اور اپنی سائیکل پر رواں دواں واربرٹن سے چاندی کوٹ، چاندی کوٹ سے حسین پورا اور پھر کسی اور قصبہ میں آتے جاتے ہوئے دکھائی دیتے۔ تواضع اور انکساری کا یہ عالم تھا کہ جب بھی مجھے ملنے، معانقہ کرتے اور کہتے: میرے پیارے پاجی، تسلی نہیں ہوئی۔ تو پھر بسا اوقات فرط مسرت سے اپنے پاؤں میرے پاؤں کے تلووں پر رکھ کر بغل گیر ہو جاتے۔ مسجد میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ ہم دونوں اکٹھے ہوئے اور انہوں نے مصلے پر مجھے آگے کھڑا نہ کیا ہو، پھر جب اصرار بڑھ گیا تو ہم نے یہ ترتیب بنائی کہ جب میں ان کے ہاں جاتا تو وہ ہمیشہ مجھے آگے رکھتے اور جب وہ میرے پاس آتے تو میں امامت کے لیے انہیں ہی آگے کھڑا کرتا۔

کبھی منڈی واربرٹن مسجد میں یا الرحمہ انسٹیٹیوٹ میں جانے کا اتفاق ہوتا تو ان کی خوشی سنبھالی نہ جاتی۔ مجھے درس یا طلبہ کو وعظ و نصیحت کرنے کا ضرور کہتے۔ علاقہ کے تمام گاؤں اور قصبے آپ سے بھرپور علمی استفادہ کرتے، آپ بھی دل کھول کر ہر ایک کی دینی راہنمائی اور دلجوئی کرتے تھے۔ مثال کے طور پر میرا ایک ہم جماعت نوجوان محمد رمضان کشمیری قضاے الہی سے فوت ہو گیا، میں اس وقت لاہور میں تھا، تو اس کے جنازے میں بھی شرکت نہ کر سکا، جبکہ مولانا رفیقی مرحوم کو اطلاع ہوئی، تو انہوں نے ہمارے گاؤں حسین پور چٹھہ میں آکر نہ صرف ان کو غسل دیا، بلکہ جنازے اور تدفین تک وہیں رہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: "من طلب شیئاً جدّ وجد"

"جو نیکی کے لیے کوشاں رہا، اس نے اپنا نصیب پالیا۔"

صلہ رحمی

رشتہ داروں کے ساتھ ہمہ وقت رابطہ، ان کی غمی و خوشی میں شریک ہونا، ان کی ترجیحات میں تھا۔ سپرا رابطہ سوسائٹی کے زیر اہتمام کاروانِ صلہ رحمی میں وہ اوّل سے آخر تک ہمارے ہم سفر رہے۔ وہ بہت اہم کام چھوڑ کر بھی قربت داروں کے ہاں وقت پر پہنچتے۔ خصوصاً عیدین کے موقع پر مجھے ان کی آمد کا انتظار ہوتا تھا۔ خواہ دن ہو یا رات، آپ نہ گرمی دیکھتے، نہ سردی، نہ بارش بلکہ اپنی سواری (زیادہ تر سائیکل) پر سوار ایک دم نمودار ہوتے، بغیر تکلف کے جو کچھ ہوتا، ضرور تھوڑی سی دعوت قبول کرتے۔ نماز کا وقت ہوتا تو نماز ادا کرتے، بعد ازاں بڑی محبت سے واپسی کی اجازت لیتے۔ تاکہ دیگر رشتہ داروں کے ہاں حاضری دے سکیں، یہ ان کا سالہا

سال سے معمول بن گیا تھا۔ میرے والد محترم سے خصوصی تعلق اور اُنس تھا، تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد والد محترم سے ملاقات کے لیے از خود ضرور حاضر ہو جایا کرتے تھے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء رشتہ داروں کے کام خاص طور پر باہمی رشتے ناطے کر کے از حد خوشی کا اظہار کرتے۔ اسی ضمن میں میری ان سے آخری ملاقات عرب امارات میں آنے سے تقریباً ایک ہفتہ قبل اپنے بیٹے محمد مغیرہ لقمان کے بیٹے بدر بن مغیرہ کے عقیقہ کے موقع پر چاندی کوٹ روڈ پر واقع نئے ورک شادی ہال، میں ہوئی، جہاں وہ دیگر اعزہ واقارب کے ساتھ مدعو تھے۔ معمول کے مطابق روشن اور تروتازہ چہرے کے ساتھ عین وقت پر تشریف لائے۔ میرے لیے یہ ملاقات ان کی زندگی کے آخری ایام میں ایک بڑی سعادت سے کم نہیں۔ وہ مجھے شدید سردی کے باوجود اپنے ساتھ باہر لائے۔ دیر تک میرے بیٹے حافظ محمد ثنی لقمان کے بارے میں مفید اور نیک مشوروں سے نوازتے رہے، اور ساتھ ساتھ زبان پر دعاؤں کا سلسلہ بھی جاری تھا، یہاں تک کہ میں موسم کی شدت میں کھڑے کھڑے تھک گیا، وہ تو ہلنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے اور پھر ہال میں آتے ہی وہاں پہلے سے بیٹھے علما و فضلاء کے ساتھ توحید باری تعالیٰ اور سلف صالحین کے منہج پر علمی و فکری تبادلہ خیال کرتے رہے۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے! تغمدہ اللہ برحمتہ!

تقویٰ و ورع

عبادتِ الہی میں ڈوب جاتے، نماز میں خشوع خضوع دیکھنے کو ملتا اور ساتھ ہی صبر و شکر اور قناعت کی دولت سے بھی مالا مال تھے، گویا اس حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تصویر تھے:

«إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ، الْغَنِيَّ، الْخَفِيَّ»

”اللہ تعالیٰ متقی، آسودہ حال (مستغنی) اور چھپ چھپ کر رہنے والے بندے سے محبت کرتا ہے۔“

طبیعت سے وہ اپنے علاقے اور اطراف و اکناف میں خیر و برکت کا منبع اور علم و عمل کا بہتا چشمہ تھے۔ ہم ایک ہی راستہ کے راہی اور مقصد کے متلاشی تھے، مگر وہ ہم سے بہت آگے نکل گئے۔ اب یاد آتی ہے تو لبوں پر یہ دعائیہ الفاظ از خود آجاتے ہیں۔ الہی ہم کو بھی اپنے دین کے سچے اور سچے محافظوں میں شامل کرے: اللہم استعملنا بطاعتك و طاعة رسولك و توفنا على ملتہ و أعذنا من مضلات النفس!

اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دعا کے دوران آپ پر بے پناہ رقت طاری ہو جاتی۔ مجھے پتہ چلا کہ اپنی زندگی میں انہوں نے اپنی نخت جگر بچی کی جدائی کا بڑا صدمہ برداشت کیا جو غالباً جل گئی تھی اور علاج کے باوجود انتقال کر گئی۔ ایسے جگر پاش کر دینے والے صدمے میں انہوں نے اپنی بیٹی کی چارپائی کے پاس مصلیٰ بچھالیا اور تقریباً پوری رات اللہ تعالیٰ کے حضور دعاؤں اور گریہ زاری میں گزار دی۔ یقیناً رحیم و کریم پروردگار نے ان کے جانے سے پہلے ان کی ایک قیمتی امانت اور سرمایے کو اپنے پاس بلا لیا تاکہ وہ اپنے باپ کا جنت کے دروازوں پر استقبال کر سکے۔ بلاشبک و شبہ اللہ جل شانہ کا اپنے بندے سے یہ وعدہ سچا ہے:

﴿ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۱۵۵﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۵۶﴾ ﴾ (البقرہ: ۱۵۵-۱۵۶)

اور (اے نبی ﷺ!) ایسے صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے کہ جب انہیں کوئی مصیبت آئے تو فوراً کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم (خود بھی) اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔ ایسے ہی لوگوں پر ان کے پروردگار کی جانب سے عنایات اور رحمتیں برستی ہیں اور ایسے ہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔“

رحمۃ للعالمین کی بشارت کے مطابق جس شخص کی ایک، دو یا تین بیٹیاں ہوئیں اور اس نے ان کی صحیح تربیت کی، انہیں پالا اور پروان چڑھایا تو اللہ جل شانہ اسے جنت کی نعمت سے سرفراز فرمائے گا۔ یہ سعادت بھی مولانا رفیقی مرحوم کو نصیب ہوئی۔

قابل رشک سفر آخرت

مولانا رفیقی مرحوم کی جدائی سے ہونے والا خلا تو شاید برسوں پُر نہ ہو سکے، مگر موت جو کہ حقیقت میں خالق ارض و سما کی مخلوق ہے، کوئی سبلی چیز نہیں بلکہ ایجابی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے زندگی سے پہلے پیدا فرمایا اور قرآن حکیم میں بھی موت کا نام زندگی سے پہلے لیا۔ (الملک: ۲) تاکہ وہ اپنے بندوں کی آزمائش کر سکے کہ عمل میں کون شخص اچھا ہے؟ لہذا اس مرحلہ سے کسی پیغمبر علیہ السلام کو بھی مفر نہیں۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ جب خالق حقیقی کے حکم سے موت آئے تو وہ انسان کس حالت اور کیفیت میں ہو۔ عموماً موت انسان کو اسی حالت میں اچکتی ہے جو اس مستعار زندگی میں وہ اکثر و بیشتر عمل کرتا ہے، اور روز قیامت بھی اسی حالت میں اٹھایا جائے گا جس حالت میں اس نے دنیا چھوڑی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلَىٰ مَا مَاتَ عَلَيْهِ»^۱

لہذا (اِنَّا الِاعْمَالِ بِالْخَوَاتِيمِ) کے تحت اس بات کی بڑی اہمیت اور ضرورت بھی ہے کہ ہم خاتمہ بالخیر کی دعا بھی کرتے رہا کریں اور دو، یعنی عملی طور پر جستجو بھی۔ اللہ جل شانہ اپنے بندوں کی مساعی جلیلہ کا بڑا قدر دان ہے۔ وہ ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَكَ الْمُحْسِنِينَ﴾ (العنکبوت: ۶۹)

”اور جو لوگ ہماری (اطاعت و فرمانبرداری اور صراط مستقیم کو اپنانے) میں محنت کرتے ہیں، ہم ان کو ضرور اپنی سیدھی راہوں پر گامزن کریں گے اور یقیناً اللہ نیکو کار لوگوں کے ساتھ ہے۔“

ہمارا کیلانی خاندان بالعموم (الحمد للہ) مسند رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا امن و محافظ رہا ہے، اس میں چند لوگ میری معلومات کے مطابق بطور خاص اس اعتبار سے قابل ذکر ہیں کہ جن کی زندگی بھی نیک اعمال اور تقویٰ سے عبارت تھیں اور سفر آخرت بھی قابل رشک۔ اگر خاندان میں ان کے علاوہ بھی کوئی شخصیات تھیں اور لازماً ہوں گی تو اس سلسلے میں میری معلومات میں اضافہ فرما کر عند اللہ تعالیٰ ماجور ہوں۔

① میرے اُستاد محترم چچا جان مولانا عبد الرحمن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو نمازِ عشا میں صفِ اول میں، اپنی ہی تعمیر کردہ مسجد میں اور پھر سجدے کی حالت میں داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

② ہمارے محسن معلم چچا جان محمد سلیم کیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو بروز جمعہ، جمعہ کا خطبہ شروع ہوتے ہی اپنے پروردگار سے ملائی ہوئے۔

③ میرے نانا جان عبد الغفار کیلانی رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک میں روزے کی حالت میں اور پھر قرآن حکیم کی کتابت کرتے ہوئے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

④ میرے تایا جان نذیر احمد ولد عبید اللہ سپہا رحمۃ اللہ علیہ بروز جمعہ معمول کے مطابق سورۃ الکہف کی تلاوت پر اپنے مبعود برحق کے پاس جا پہنچے۔

⑤ میرے دادا جان عبد اللہ بن سلطان احمد سپہا رحمۃ اللہ علیہ جو تہجد کے وقت، عاشورہ محرم کو بروز جمعہ اپنے پروردگار کے جوہرِ رحمت میں منتقل ہوئے۔ اس رات وہ بار بار خود بھی نفلی عبادت ادا کرتے اور اپنے موجود بچوں (والد محترم اور ان کی ہمشیرہ مزمل رحمہما اللہ) کو بھی نماز کی تلقین کرتے رہے۔

۱ صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها...، باب الأمر بحسن الظن بالله...: ۲۸۷۸

ہمارے فاضل، علم و عمل کے پیکر، میرے ہم جوئی اور میرے ہم کتب مولانا عبد الصمد رفیقی رحمۃ اللہ علیہ جو جمعرات کی شب کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے، جس دن کی عظمتوں اور برکات کے بارے صادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: «خَيْرُ يَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ»^۱۔
 ”دنوں میں سے سب سے بہتر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، جمعہ کا دن ہے۔“

نیز اس دن وفات پا جانے والے سے قبر کا حساب و کتاب اٹھایا جاتا ہے جیسا کہ جامع ترمذی میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَمُوتُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَوْ لَيْلَةِ الْجُمُعَةِ إِلَّا وَقَاهُ اللَّهُ فِتْنَةَ الْقَبْرِ»^۲۔
 ”جو مسلمان بھی جمعہ یا جمعہ کی شب کو فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کے فتنہ (یعنی حساب و کتاب اور عذاب قبر وغیرہ) سے بچا لیتے ہیں۔“

مولانا عبد الصمد رفیقی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دل و دماغ میں اللہ کا خوف اور فکر آخرت لیے، ہمہ وقت توحید و سنت کی نشر و اشاعت میں مصروف و منہمک دکھائی دیتے۔ شنید ہے کہ وفات سے ایک یا دو دن قبل مسجد ریاض الاسلام، واررٹن میں ’فکر آخرت‘ کے موضوع پر ایسا پڑا اثر درس دیا: ”کأنها موعظة مودع“
 گویا کہ وہ ایک قسم کا الوداعی پیغام و نصیحت تھی اور پھر اس کے بعد سے لے کر آخری لمحات تک وہ سفر آخرت کی تیاری میں ہی لگے رہے۔ انہیں بظاہر کوئی بھی جسمانی تکلیف یا عارضہ نہ تھا۔

پھر اللہ جل شانہ سے ملاقات کی فکر دامن گیر ہو گئی، بچوں کے پوچھنے پر صرف اتنا کہا کہ مجھے الہام ہوا ہے۔ اسی طرح کے الفاظ ان کی وفات سے کچھ دیر پہلے لکھی گئی وصیت میں بھی ملتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس ذمہ داری سے بھی عہدہ برآ ہونے کی توفیق عطا فرمائی جس بارے میں ہادیٰ برحق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری امت کو تاکید فرمائی ہے کہ

«مَا حَقَّ أَمْرِي مُسْلِمٍ لَهُ شَيْءٌ يُوصِي فِيهِ، يَبِيتُ لَيْلَتَيْنِ إِلَّا وَوَصِيَّتُهُ مَكْتُوبَةٌ عِنْدَهُ»^۳۔

۱ صحیح مسلم، باب فضل يوم الجمعة: ۸۵۴

۲ جامع الترمذی، أبواب الجنائز، باب ما جاء فيمن مات يوم الجمعة: ۱۰۷۴ قاله الابانبي: حسن أو صحیح

۳ صحیح البخاری، باب الوصايا وقول النبي صلی اللہ علیہ وسلم: وصية الرجل: ۲۷۳۸؛

صحیح مسلم، کتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة: ۱۶۲۷

”کسی مسلمان کے لیے یہ لائق نہیں کہ وہ اپنی کسی چیز میں وصیت کرنا چاہتا ہو مگر دو راتیں بھی اس حالت میں گزارے کہ اس کے پاس وصیت تحریری شکل میں موجود نہ ہو۔“

ہم سب کو محسن انسانیت اور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی جانب توجہ مبذول رکھنی چاہیے۔ کہا جاتا ہے کہ امام اہل السنہ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جب آزمائش کے دور میں حکومت وقت کے ہاتھوں پیٹے جاتے تو جلاد ایک ہی وقت آئی اسی (۸۰، ۸۰) ڈرے اس شدت سے مارتا کہ اگر ہاتھی کو لگائے جاتے تو وہ بھی تاب نہ لاتے ہوئے بھاگ جاتا، مگر امام اہل السنہ والجماعہ کی قوت ایمانی اور ثبات قدمی پر حکومتی وسائل بھی بے بس ہو چکے تھے اور جب رب ذوالجلال سے ملاقات کا وقت آیا تو بظاہر انہیں کوئی بھی جسمانی عارضہ یا تکلیف نہ تھی اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

زمانے کے شاہی طبیب نے خوب جائزہ لینے کے بعد صرف اتنا کہا:

”خشیتِ الہی سے دل اس قدر خوف زدہ ہوا کہ پھٹ گیا اور وہ اپنے معبود برحق سے جا ملے۔“

لواحقین سے استدعا

مولانا عبد الصمد رفیقی مرحوم نے اپنے جہد مسلسل اور عمل پیہم سے اپنے پیچھے نیک اولاد کا بہترین سرمایہ چھوڑا ہے جو ایک تو ان کے جاری کردہ نیک مشن کے لیے ان شاء اللہ کوشاں رہے گا اور دوسرا دعاؤں کی صورت میں صدقہ جاریہ بھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُمْ مِنْ عِبَادَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ (الطور: ۲۱)

”اور جو لوگ مشرف بایمان ہوئے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان لانے میں ان کی پیروی کی تو ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے اپنے اعمال میں سے کچھ بھی کم نہ کریں گے۔“

لہذا ان کے اہل خانہ خصوصاً عالم و فاضل بچوں سے گزارش ہے کہ وہ اپنے والد محترم کے چھوڑے ہوئے علمی کام کو منظر عام پر لائیں خواہ وہ مسودے کی صورت میں ہو یا پھر لکھے ہوئے مضامین اور مرتب شدہ تدریسی اسباق کی صورت میں تاکہ اہل علم اور خصوصاً طلبہ بھی اس سے مستفید و مستفیض ہو سکیں۔

تقبل الله منا ومنكم والله تعالى ولي التوفيق!



یکساں قومی نصاب؛ ایک بکھرتا خواب!

پروفیسر ملک محمد حسین

جناب شفقت محمود کی سربراہی میں وفاقی وزارت تعلیم کا شعبہ 'اکادمی برائے تعلیمی منصوبہ بندی و انتظام' AEPAM، دینی مدارس کے ساتھ 'یکساں قومی نصاب تعلیم' کے لئے بھی مصروف کار ہے۔ پاکستان کے ۲۵ سالہ شہریوں کی بنیادی تعلیم دستور کے آرٹیکل نمبر ۲۵ الف کی رو سے حکومتی فریضہ ہے۔ جبکہ معاشرے میں انفرادی و اجتماعی لحاظ سے اسلامی تعلیمات کے فروغ کی ضمانت دستور کا آرٹیکل نمبر ۳۱ دیتا ہے۔ اسی طرح دستور کا آرٹیکل نمبر ۲۵۱ اردو کو بطور قومی زبان نافذ کرنے کی تلقین کرتا ہے جس پر سپریم کورٹ کا ۱۸ ستمبر ۲۰۱۵ء کا مؤثر فیصلہ بھی موجود ہے۔

مذکورہ بالا قانونی اساسات کے ساتھ، یہ قرآنی ہدایت بھی بڑی واضح ہے کہ مسلمانوں کو حَبَلِ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی رسی (قرآن کریم) پر اتحاد و اتفاق کرنا چاہیے۔ قرآن کی رو سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تلقین کرنے والا اکیلا شخص بھی ہو تو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرح وہ پوری اُمت کی حیثیت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقابل ساری دنیا بھی اکٹھی ہو جائے تو حدیث نبوی کے مطابق وہ پرگاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ الغرض قرآن و سنت، ہم سے صرف ہدایاتِ ربانی پر اکٹھے ہونے کا مطالبہ کرتا ہے اور اسی پر مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق ہو سکتا ہے۔

عجیب بات ہے کہ تعلیم جیسے بنیادی قومی مسئلہ پر پاکستانی قوم کو متحد کرنے کے لئے قرآنی اور اسلامی اساسات کی بجائے اُن کو مغربی نظریات کی طرف دھکیلنے کی مسلسل کوششیں کی جا رہی ہیں۔ بقول علامہ اقبال تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو ہو جائے ملامت تو جدھر چاہے، اسے پھیر تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے! اک ڈھیر

اس پر متزاد یہ ہے کہ یکساں قومی تعلیمی نظام سے مغرب زدہ سکول و کالج کو استثنیٰ دیا جا رہا ہے اور یکساں قومی نصابِ تعلیم آغاز سے ہی امتیاز کا محافظ ہے۔ گویا اس طرح اس نصابِ تعلیم سے پاکستان میں مغرب نوازی کو فروغ و تقویت دینے کی کوششیں بھی جاری ہیں۔ مغرب کے الحادی نظریات کو پاکستانی قوم پر ٹھونسنے کے ساتھ، علمائے کرام کو صرف اسلامیات کے مختصر نصاب میں شریک کیا گیا ہے، اور اسی نصاب میں ہی ترجمہ قرآن کو بھی شامل کر کے، لازمی اسلامی تعلیم کو بھی انتہائی مختصر وقت دیا گیا ہے۔ گویا کہ باقی قومی نظامِ تعلیم کے لئے اسلامی رہنمائی کی کوئی ضرورت نہیں اور ان میں خلافِ اسلام نظریات جیسے جاہلانہ نظریہ ارتقا اور

الحادی تخلیقی نظریات وغیرہ کا زہر بدستور پاکستانی مسلمانوں کے ذہنوں میں اُنڈیلا جاتا رہے گا۔ مزید برآں دستوری تقاضوں اور اعلیٰ عدالتی احکام کو نظر انداز کرتے ہوئے معصوم بچوں پر ظلم کرتے اور ان پر تعلیم کے دروازے بند کرتے ہوئے، اُردو کی بجائے انگریزی کو ذریعہ تعلیم زبان بنانے کی کوششیں بھی جاری ہیں۔ جبکہ پاکستان کی قومی زبان اُردو کی عالمی مقبولیت اور لسانی صلاحیت کا یہ عالم ہے کہ عالمی میڈیا کے مطابق اُردو اس وقت عالمی زبانوں میں دوسری حیثیت پا چکی ہے۔

دوسری طرف مدارس دینیہ پر رجسٹریشن کے دوہرے انتظامات، حسابات کی جانچ پڑتال، انکی اسناد پر نئی پابندیوں اور ان کے امتحانات کو سرکاری بورڈ کے حوالے کر دینے سے ان کا قافیہ بھی آئے روز تنگ کیا جا رہا ہے۔ ایسی صورت حال میں وفاقی وزارت تعلیم کو جس کی خواہشوں کا بھی ترجمان سمجھا جائے لیکن وہ دستور پاکستان کی تائید سے بہر حال محروم ہیں۔ ذیل میں مجوزہ قومی نصاب تعلیم پر ایک جامع تبصرہ ہدیہ قارئین ہے۔ ح۔ م

۲۲ جولائی ۲۰۲۰ء بروز بدھ قومی نصاب کو نسل (نیشنل کریکولم کونسل) کا اجلاس اسلام آباد میں ہوا جس میں یکساں قومی نصاب (سنگل نیشنل کریکولم) کی حتمی منظوری اور ذریعہ تعلیم (Medium of Instruction) کا فیصلہ ہونا تھا۔ یہ اُس نصابی مسودے کی منظوری کے لیے اجلاس بلایا گیا تھا جس کی منظوری وزیر اعظم جناب عمران خان سے ۱۹ مارچ ۲۰۲۰ء کو لی گئی تھی اور جس منظوری کے بعد وزیر اعظم نے اعلان کیا تھا کہ پری سکول یعنی نرسری سے پانچویں جماعت کا نیا نصاب پورے ملک کے سکولوں بشمول دینی مدارس میں مارچ ۲۰۲۱ء سے نافذ العمل ہوگا۔ نیز مڈل سکولوں اور سیکنڈری (ثانوی) سکولوں کا نصاب بالترتیب مارچ ۲۰۲۲ء اور مارچ ۲۰۲۳ء سے نافذ کیا جائے گا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ مارچ ۲۰۲۰ء میں وزیر اعظم پاکستان سے نصاب کی منظوری کے اب چار ماہ بعد نیشنل کریکولم کونسل سے منظوری کا ڈرامہ رچایا گیا۔ کہا یہ گیا کہ درمیانی عرصے میں نصاب کی نوک پلک سنواری جاتی رہی اور رنگ و روغن کی ڈیزائننگ کی جاتی رہی ہے۔ اس سے پہلے ۱۶ جولائی کو بقول وزارت وفاقی تعلیم ماہرین کا اجلاس بلایا گیا جس میں میڈیم آف انسٹرکشن یعنی ذریعہ تعلیم کا فیصلہ لینا تھا۔ وزارت وفاقی تعلیم نے اس مقصد کے لیے جو فریم ورک دیا، وہ یہ تھا کہ پری سکول سے ہی ذریعہ تعلیم انگلش ہو گا تاہم اسلامیات کا مضمون اُردو میں پڑھایا جائے گا نیز اسلامیات کے سوا باقی تمام مضامین کی درسی کتب بھی انگلش میں ہوں گی۔ ۱۶ مارچ کے اجلاس میں ۲۷ شرکانے انگلش بطور ذریعہ تعلیم کی مخالفت کی، صرف بیکن ہاؤس سکولز کے نمائندے اور جناب جاوید جبار نے انگلش بطور ذریعہ تعلیم کی حمایت کی۔ تقریباً متفقہ مخالف رائے آنے کی وجہ سے وزارت وفاقی تعلیم کے ذمہ داران نے کوئی فیصلہ کیے بغیر اجلاس یہ کہتے ہوئے ختم کر دیا کہ اس مقصد کے لیے مزید مشاورتی اجلاس بلائے جائیں گے۔ لیکن مزید کوئی اجلاس بلانے کی بجائے ۲۲ جولائی کو سنگل نیشنل

کریکولم کی نیشنل کریکولم کونسل سے منظوری کو ذریعہٴ تعلیم کے فیصلہ کے لیے اجلاس بلا لیا گیا۔ اس اجلاس میں ۲۵ لوگ شخصی طور پر اجلاس میں شریک ہوئے اور باقی اراکین آن لائن سہولت کے ساتھ اجلاس میں شامل تھے۔ اس اجلاس کے حوالے سے وزارتِ وفاقی تعلیم کی یہ چالاکی دیکھنے میں آئی کہ وفاق ہائے مدارس دینیہ کے نمائندوں کو بہت تاخیر سے اطلاع دی گئی۔ انہیں نہ کوئی ایجنڈا بھیجا گیا اور نہ ہی کوئی ورکنگ پیپر۔ مزید یہ کہ آن لائن روم کے ذریعہ شرکت کے لیے کچھ اراکین کو لنک بھی فراہم نہیں کیا گیا اس خیال سے کہ نیشنل کریکولم کونسل کے باقی اراکین تو وزیر تعلیم کے نیلی آنکھوں (Blue Eyed) والے پسندیدہ لوگ ہیں، محض دینی اداروں کے نمائندوں سے کسی تنقید یا مخالفت کا ہی خدشہ ہو سکتا ہے۔ لیکن ادھر ادھر سے دینی اداروں کے تمام نمائندوں کو لنک کی معلومات فراہم ہو گئیں اور سب کی شرکت ممکن ہو سکی۔

۲۲ جولائی کے اجلاس میں بھی دلچسپ صورتِ حال رہی۔ مفتی منیب الرحمن صاحب نے احتجاج ریکارڈ کرایا کہ انہیں نہ بروقت اطلاع دی گئی، نہ ایجنڈا فراہم کیا گیا اور نہ زیر غور نصاب کا مسودہ دیا گیا، اس لیے وہ بے مقصد شرکت پسند نہیں کرتے لہذا انہیں نصابی مسودات فراہم کیے جائیں اور جائزے کے لیے ایک ماہ دیا جائے تو وہ نصاب پر غور کے لیے تیار ہیں۔ یہ کہہ کر وہ اجلاس سے الگ ہو گئے۔

باقی شرکاء میں سے سندھ، بلوچستان، آزاد کشمیر کے وزراے تعلیم یا سیکرٹری تعلیم نے کہا کہ ۱۸ ویں آئینی ترمیم کے بعد نصاب سازی صوبوں کا اختیار ہے، تاہم وفاق کے اچھے کام کو وہ زیر غور لاسکتے ہیں لیکن اس کا فیصلہ صوبے کی کابینہ نے کرنا ہے نیز صوبے خود بھی اپنا نصاب اور درسی کتب تیار کر رہے ہیں۔ آزاد کشمیر کے وزیر تعلیم نے بھی کہا کہ وفاق مہربانی کر کے اپنے نصاب میں کشمیر کا بھی کہیں ذکر کر دے تو اس کی ضرورت ہے۔ خیبر پختونخوا کے وزیر تعلیم کا تبصرہ تھا کہ ہمیں تو بتایا گیا تھا کہ نصاب کی منظوری کا یہ آخری اجلاس ہے لیکن شرکاء اجلاس کی تنقیدی آرا سننے کے بعد معلوم ہو رہا ہے کہ یکساں قومی نصاب کے سلسلہ میں یہ تو پہلا اجلاس ہے۔ شرکاء اجلاس میں سے اکثریت اگرچہ سیکولر، لبرل خیالات کی حامی اور وفاقی وزیر تعلیم کی پسندیدہ شخصیات تھیں لیکن ان کے تبصرے نیشنل کریکولم کونسل کے کیے گئے کام کے حق میں نظر نہیں آ رہے تھے۔ وفاقی وزیر تعلیم جناب شفقت محمود کا کہنا یہ تھا کہ ہم نیشنل کریکولم کونسل کے اراکین کی رائے اور تبصروں کی روشنی میں نصاب کی ٹیوننگ اور پالشنگ کریں گے۔ اجلاس میں انگریزی بطور ذریعہٴ تعلیم کے خلاف بھی تقریباً اتفاق رائے تھا۔ نتیجہً پھر ۱۶ جولائی والے اجلاس کی طرح ہوا کہ کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا اور وزیر وفاقی تعلیم نے اجلاس یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ مشاورت جاری رہے گی۔

مذکورہ بالا دو اجلاسوں کی اجمالی روداد دینے کا مقصد یہ ہے کہ بتایا جائے کہ وزارتِ وفاقی تعلیم جو 'سنگل نیشنل کریکولم' اور 'ایک قوم، ایک نصاب' کا ڈھول پیٹ رہی تھی، اس کی ہوا کھڑتی نظر آرہی ہے اور قومی سطح

پر یہ جو مثبت امیج ابھر رہا تھا کہ یکساں قومی نصاب کا دیرینہ قومی خواب تعبیر کے قریب ہے، اب یہ خواب منتشر ہوتا نظر آ رہا ہے...!!

قوم کا یکساں نصاب تعلیم کا دیرینہ خواب کیوں منتشر ہوتا نظر آ رہا، اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

① وزارت وفاقی تعلیم کے ارباب بست و کشاد کا واضح جھکاؤ سیکولر لبرل لابی کی طرف ہے جب کہ قوم کا مجموعی مزاج اسلامی نظریہ حیات سے سرشار ہے۔ نیشنل کریکولم کونسل میں جناب وزیر تعلیم نے اپنی پسند کے لبرل سیکولر لوگ پورے دھڑلے کے ساتھ شامل کیے ہیں۔ اگر نیشنل کریکولم کونسل کے ارکان کی فہرست پر نظر ڈالی جائے تو چاروں صوبوں، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے برنئے عہدہ نمائندوں کے علاوہ ۱۱ مرد حضرات اور ۱۰ خواتین اراکین ہیں۔ سب نامزد افراد کا عرف لبرل سیکولر ہونا ہے۔ دینی مدارس کے پانچ وفاتوں کے نمائندے البتہ علمائے کرام ہیں جو کہ ایک مجبوری تھی لیکن ان دینی اداروں کے نمائندوں کو پورے قومی نصاب کو چھوڑ کر، یعنی اسلامیات کے نصاب کے علاوہ کہیں گھسنے کا موقع نہیں دیا گیا۔

② سنگل نیشنل کریکولم کے عنوان سے جو نصاب تیار کیا گیا ہے وہ ارکان نیشنل کریکولم کونسل کو مہیا نہیں کیا گیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو نصابی رپورٹس دستیاب تھیں، اس لیے مذہبی لابی اور سیکولر لابی کی طرف سے سنجیدہ تنقید سامنے آ رہی ہے۔

③ نصاب کے جائزے کے لیے ضروری ہے کہ ان ضروریات (Needs) کی فہرست دی جائے جو عصر حاضر میں نرسری سے بارہویں جماعت تک ہمارے طلباء کی نصابی ضروریات کے طور پر وفاقی وزارت تعلیم نے ترتیب دی ہیں تاکہ ان ضروریات کی روشنی میں نصاب تعلیم کی مناسبت کا جائزہ لیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وزارت نے نصابی ضروریات پر مبنی ایسی کوئی فہرست نہیں بنائی۔

④ نرسری سے بارہویں تک پورے نصاب میں سے ایک طالب علم نے گزرنا ہوتا ہے۔ یہ ایک تسلسل ہے جو نصاب میں نظر آنا چاہیے۔ گریڈوں یا جماعتوں کی تقسیم ہم اپنی انتظامی سہولت کے لیے کرتے ہیں۔ اس وقت صرف نرسری سے پانچویں جماعت تک کا نصاب دیا جا رہا ہے۔ اس سے ہم کیسے معلوم ہو کہ اس کاڈل جماعتوں اور ثانوی جماعتوں کے نصاب کے ساتھ عمودی ربط موجود موجود ہے اور کسی قسم کا خلا نہیں ہے۔ یہ امر بھی نصاب کو ناقابل قبول بنانے کی ایک وجہ ہے۔

⑤ پانچ سال سے ۱۶ سال کی عمر کی تعلیم قانون کے مطابق ہمارے ملک میں لازمی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم کے اس دورانیے میں طالب علم کو بالغ زندگی کامیابی سے گزارنے کے لیے تمام معلومات، تمام مہارتیں اور ضروری اخلاق و کردار اور رویے رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے ذریعے مل جائیں خصوصاً آئین کے آرٹیکل ۳۱ کی روشنی میں ۱۶ سال کی عمر تک تعلیم حاصل کر کے ہمارے طلبہ اور طالبات اس قابل ہو جائیں کہ وہ قرآن و سنت

کے تقاضوں کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ اب محض پری سکول سے پانچویں جماعت تک کا نصاب دیکھ کر تو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ مذکورہ نصاب لازمی تعلیم کے دورانیہ کے تقاضے پورا کرتا ہے یا نہیں؟

① سکول سطح کا نصابِ تعلیم ایک تسلسل کا تقاضا کرتا ہے جس میں ربط، توازن، تسلسل و وسعت اور گہرائی کا بدرجہ اتم خیال رکھنا ضروری ہے، اس لیے پوری دنیا کی یہ روایت ہے کہ نصاب جب بھی تیار ہو گا وہ پری سکول سے ثانوی اعلیٰ ثانوی درجے تک ایک ہی وقت میں تیار ہو گا۔ البتہ اس کے نفاذ کے لیے درجہ وار ترتیب لگائی جاتی ہے۔ کلچروں میں جب نصاب تیار ہو گا اس میں اُفتی اور عمودی ربط اور توازن کی کمزوری لازماً ہے گی۔ وفاقی وزارتِ تعلیم اجزا میں نصاب سازی کر کے تعلیمی دنیا کے بنیادی اصول کی خلاف ورزی کر رہی ہے۔

② ماہرین کی طرف سے یہ اعتراض شد و مد سے اٹھایا جا رہا ہے کہ مذکورہ نصاب جو نظریہ پاکستان، اسلامی نظریہ حیات اور دستور پاکستان کی تعلیم سے متعلق آرٹیکلز کی روشنی میں تیار ہونا تھا، وہ سیکولر، لبرل اقدار کی روشنی میں تشکیل دیا گیا ہے۔ نصاب کی بنیادی اسلامی اقدار یعنی توحید، رسالت، عبادت اور آخرت کو؛ اور معاملات و اخلاقیات کو اس کی ذیلی اقدار ہونا چاہیے تھا لیکن مبینہ طور پر نصاب کی بنیاد سیکولر اساسی اقدار پر رکھی گئی ہے جو بالکل ناقابل قبول ہے۔

③ رہ گئی بات میڈیم آف انسٹرکشن کی تو ۱۶ جولائی کو جو میٹنگ ہوئی تھی اس میں ایک دو کو چھوڑ کر سب نے انگریزی کی مخالفت کی اور سفارش کی کہ پری سکول سے آخر تک سکول کی تعلیم اردو یا علاقائی زبان میں ہونی چاہیے۔ تقریباً متفقہ مخالفت آنے پر وزارتِ تعلیم کے ذمہ داران نے کوئی فیصلہ کیے بغیر میٹنگ ختم کر دی۔ ماہرین کی آرا کی روشنی میں اور قومی تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے پری سکول سے ثانوی سطح تک تمام مضامین اردو یا علاقائی زبان میں پڑھانے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

④ تعلیم اب صوبائی معاملہ ہے۔ وزارتِ وفاقی تعلیم کس اختیار اور قانون کے تحت سنگل نیشنل کریکولم اور سنگل ٹیکسٹ بکس تمام صوبوں میں نافذ کرے گی جب کہ صوبوں کے اپنے کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈز اور صوبائی اسمبلیوں سے پاس کردہ اپنے قانون موجود ہیں۔ نیز پرائیویٹ سیکٹر کے اشرافیہ کے سکولز جو مغربی امتحانی بورڈز سے منسلک ہیں، اپنی سن کانج، کیڈٹ کالج، آرمی پبلک سکولز، جو طاقوڑوں کے ادارے ہیں، وہ کب اور کس طرح سنگل نیشنل کریکولم، کولفٹ کرائیں گے۔ مذکورہ تمام اداروں میں سنگل نیشنل کریکولم نافذ کرائے بغیر اسے یکساں قومی نصاب کا درجہ کیسے حاصل ہو گا...؟

⑤ وزارتِ وفاقی تعلیم اور نیشنل کریکولم کونسل کے ذمہ داران نے نمبر ٹانگنے اور وزیر اعظم کے سامنے کار کردگی دکھانے کی خاطر عجلت میں سب کچھ کیا۔ مشرف دور کے ۲۰۰۶ء کے نصاب میں معمولی کمی بیشی کر کے اور ویلیوز ایجوکیشن کے نام پر ہیومنزم کے بے خدا فلسفے کی اقدار سمو کر ۲۰۰۶ء کے نصاب کو جو پہلے بھی اسلامی

حلقوں کا مسترد کردہ نصاب تھا، مزید ناقابل قبول بنا دیا۔ اب اس نصاب میں اسلامیات کا رخ مغرب کی طرف ہے تو معاشرتی علوم، جنرل نالج اور انگلش کے نصاب کا رخ مشرق کی طرف یعنی وہ مکمل سیکور اور لبرل ہے۔

⑪ یہ غلط اور سطحی دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ اس نصاب کو پورے ملک سے لیے گئے ۷۰ ماہرین نے لکھا ہے حالانکہ صرف ۲۰۰۶ء کے نصاب پر نظر ثانی کر کے محض کچھ تبدیلیاں کی گئی ہیں جن کا ہم نے سطور بالا میں ذکر کیا ہے۔ اس طرح کے غلط دعوے بھی کسی علمی کام کے وقار اور قبولیت کو کم کر دیتے ہیں۔

⑫ نیشنل کریکولم کو نسل کے ذمہ داران نے حقیقی سٹیک ہولڈرز کو نظر انداز کر کے اپنے پسندیدہ نام نہاد ماہرین کو آگے رکھا ہے۔ نیز شفافیت کی نفی کرتے ہوئے رازداری اور خفیہ پن سے کام لیا ہے جس سے شکوک و شبہات نے جنم لیا ہے جو یہ ہے کہ پچھلے چھ ماہ سے سنگل نیشنل کریکولم کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود ان میں سے کسی کو اس مقدس دستاویز کا علم نہیں جن کے بچوں کا تعلیمی مستقبل اس سے وابستہ ہے یا جنہوں نے نصاب کے اس مقدس مسودے کو نافذ کرنا ہے یعنی اساتذہ اور محکمہ ہائے تعلیم کے انتظامی ذمہ داران۔

⑬ نصاب تعلیم ایک عوامی معاملہ ہے اور جب تک اسے عوامی قبولیت حاصل نہیں ہوتی، تب تک محض انتظامی احکامات اور قانونی آلات کے ذریعے اسے نافذ نہیں کیا جاسکتا۔

⑭ ذریعہ تعلیم ایک حساس مسئلہ ہے اور وزارتِ وفاقی تعلیم کے ذمہ دار اپنی ضد پوری کرنے پر ٹٹلے رہیں گے تو خرابی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

⑮ اشرافیہ کے تعلیمی ادارے جن میں ایچی سن کالج، آرمی برن ہال کالج، رورٹس کالج، کیڈٹ کالج، آرمی سکولز اور کالج، یکن ہاؤس سکولز، سٹی سکولز، روٹ سکول سسٹم، شو نیفٹات سکول، لاہور گرامر سکول اور اسی طرح کے دیگر درجنوں سکولز حکومت کا کوئی بھی نصاب اپنے ہاں نافذ نہیں کریں گے اس بہانے پر کہ وہ تو مغربی امتحانی بورڈ سے منسلک ہیں۔ تو اگر حکومت یکساں قومی نصاب کے مسئلہ پر سنجیدہ ہے تو اسے بیرونی امتحانات پر پابندی اور بیرونی بورڈز کے تعلیمی سرٹیفیکیشن کی نامنظوری کی قانون سازی کرنی چاہیے جو ظاہر ہے ممکن نہیں ہوگی کیونکہ ان اداروں اور ان بیرونی امتحانات سے منسلک سیاستدانوں، بیوروکریٹس، ججوں، جرنیلوں، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے نوہالوں کا روشن مستقبل وابستہ ہے اور بیگمات ایسا کبھی نہیں کرنے دیں گی اور اس طرح یکساں قومی نصاب صرف غریبوں پر ہی نافذ ہوگا۔

⑯ وزیر وفاقی تعلیم جناب شفقت محمود نے اپنے ٹویٹ میں یہ کہہ کر کہ سنگل نیشنل کریکولم صرف کور کریکولم (Core curriculum) ہے۔ اگر سکول اور سکول سسٹمز اس نصاب میں اضافہ کرنا چاہیں گے تو ان کو اجازت ہوگی، یکساں قومی نصاب کے غبار سے خود ہی ہوا نکال دی ہے۔ یہ وہ یوٹرن (U turn) ہے جو اشرافیہ کے تعلیمی اداروں کے انکار اور دباؤ کی وجہ سے لیا گیا ہے۔

⑫ آخری سوچ جو نظر آتی ہے وہ یہ کہ اصل ہدف دینی مدارس ہیں جن میں مقتدر قوتوں کے دباؤ کے تحت سیکولر نصاب رائج کیا جائے گا اور ان کا موجودہ دینی تشخص آہستہ آہستہ ختم کر دیا جائے گا۔ البتہ سرکاری ادارے تو شاید مذکورہ نصاب نافذ کریں گے بشرطیکہ صوبائی قوانین اور ۱۸ ویں آئینی ترمیم اڑے نہ آئے اور صوبائی حکومتیں اپنا اختیار کسی قانون سازی کے ذریعے وفاق کو منتقل کر دیں۔

⑬ آخر میں ہم دینی مدارس کے ارباب حل و عقد، علمائے کرام اور دینی جذبات و احساسات رکھنے والے عوامی طبقے کو متوجہ کرتے ہیں کہ سنگل نیشنل کریکولم کا سارا ڈھونگ حکومت کے سیکولر تعلیمی ایجنڈے کا حصہ ہے اور ہدف محض دینی ادارے ہیں۔ اس کے پیچھے امریکی کمیشن برائے مذہبی آزادی، اور دیگر مغربی قوتیں ہیں۔ ملک کی اندرونی سیکولر لابی ایک طرف تو نیشنل کریکولم کو نسل میں غالب حیثیت بلکہ فیصلہ کن حیثیت میں موجود ہے اور دوسری طرف سیکولر، لبرل اور کرسچین این جی اوز کے پلیٹ فارم سے بعض معروف خواتین و حضرات متحرک ہیں۔ ان این جی اوز کا ۳ مارچ ۲۰۲۰ء کا سیمینار جس کی صدارت جناب شفقت محمود نے کی اور پھر ۱۰ جولائی ۲۰۲۰ء Webinar اور ان دونوں اجلاسوں کی کاروائی سنگل نیشنل کریکولم کے لبرل سیکولر ایجنڈے کو سپورٹ کرتی ہے۔ ۳ مارچ کے سیمینار میں شرکا کے مطالبے پر جناب شفقت محمود نے وعدہ کیا تھا کہ وہ سارا مواد نصاب سے خارج کر دیا جائے گا جس پر اقلیتوں کو اعتراض ہے نیز اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئر مین نے اپنے ریمارکس میں کہا کہ ہم جہاد، محمود غزنوی اور صلاح الدین ایوبی کے ذکر کو نصاب سے خارج کر دیں گے۔ ۱۰ جولائی کے وہی نار میں سکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر ترجمہ کے ساتھ قرآن کی تدریس کو ہدف تنقید بنایا گیا۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر ہود بھائی نے روزنامہ ڈان میں جو مضمون لکھا ہے، اس کا بڑا چرچا ہے جس میں موصوف نے نصاب میں قرآن کی تدریس کو نشانہ بنایا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کے محب اسلام عوام، خصوصاً علمائے کرام، اساتذہ اور ماہرین تعلیم متحرک کردار ادا کرتے ہوئے تعلیم میں حکومت کے سیکولر ایجنڈے کو ناکام بنانے کی جدوجہد کریں۔

پس نوشت: پنجاب کے وزیر تعلیم ڈاکٹر مراد اس نے اپنے ایک ٹی وی انٹرویو میں یکساں قومی نصاب کے حوالے سے وضاحت کی ہے کہ یکساں قومی نصاب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تمام سکول صرف وفاق کا قومی نصاب ہی پڑھائیں گے بلکہ اس کا مطلب ہے کہ وفاق نے ایک نصابی فریم ورک دیا ہے جس کے اندر رہ کر پڑھانا ہو گا۔ باقی ادارے اگر اس میں اضافہ کرنا چاہیں تو اس کی ان کو آزادی ہو گی نیز ایک ہی درسی کتاب بھی مطلوب نہیں ہے۔ ادارے نصابی فریم ورک میں رہتے ہوئے کوئی بھی درسی کتاب پڑھا سکتے ہیں یا کئی درسی کتابیں پڑھا سکتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ڈاکٹر مراد اس کی یہ وضاحت جناب شفقت محمود کی اس وضاحت کے تحت ہے کہ نیشنل سنگل کریکولم ایک کور کریکولم ہے اور ادارے اگر چاہیں تو اس میں اضافے کرنے میں آزاد ہیں۔ ان وضاحتوں سے یکساں قومی نصاب کا تصور تو تقریباً ختم ہی ہو گیا ہے۔



تبلیغ دین کے لیے مجلس التحقیق الاسلامی کی عظیم الشان

ویب سائٹس

فنی معاونت

انجینئر محمد شاکر اعوان
انجینئر عمیر حسن راجہ

علمی معاونت

قاری مصطفیٰ راسخ
قاری خضر حیات

زیرنگرانی

ڈاکٹر حافظ انس نصر
ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی

زیر سرپرستی

ڈاکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

محدث

Mohaddis.com

محدث لائبریری

Kitabosunnat.com

محدث فتویٰ

UrduFatwa.com

محدث میگزین

Magazine.Mohaddis.com

محدث فورم

Forum.Mohaddis.com



خصوصیات

- اسلامی کتب، مضامین اور فتاویٰ کے لیے مقبول ترین اور روزانہ اپڈیٹ ہونے والی ویب سائٹس۔
- اسلامی لٹریچر اور شرعی مسائل کے لیے دنیا بھر سے ملنے والے مطالبوں کی تکمیل
- یومیہ مناسبت کے مطابق خصوصی مضامین
- تمام ویب سائٹس اردو زبان میں
- تمام ویب سائٹس پر تبصرے و جائزے اور تاثرات و شہادت کی سہولت

جاری پروگرام

محدث

Mohaddis.com

احادیث نبویہ کا عظیم ذخیرہ، ترجمہ اور تحقیق و تخریج کی سہولت کے ساتھ

محدث فتویٰ

UrduFatwa.com

تمام سلفی مطبوعہ فتاویٰ جات کی اپ لوڈنگ
(نئے پیش آمدہ مسائل کے فوری جوابات)

محدث لائبریری

Kitabosunnat.com

یومیہ 3 کتب کا اضافہ (PDF)
حالات کی مناسبت سے اہم مضامین

محدث فورم

Forum.Mohaddis.com

موضوعات: 34,261 ترسیلات: 279,857
اراکین: 4930

محدث میگزین

Magazine.Mohaddis.com

47 سال کے مطبوعہ تمام شمارے
(Unicode / PDF)

یومیہ 25000 وزیٹر

ہر لمحہ 3000 قارئین

مستقبل کے منصوبے

- محدث یوٹیوڈ لائبریری
- محدث بلڈ بینک
- محدث آڈیو، ویڈیو لیکشن
- رسائل و جرائد لیکشن

ماہانہ اخراجات سو اتین لاکھ روپے

Mobile:+92 322 7222288
anasnazar99@gmail.com

Account: kitabosunnat.com, 0093-01875659, Bank Alfalah, Urdu Bazar, Lahore Swift Code: ALFPKKA093

Designing: AK 0321-4966404

مجلس التحقیق الاسلامی ر-99 ماڈل ٹاؤن، لاہور

زیر اہتمام:

✪ **عناد اور تعصب قوم کے لیے زہر بلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں**
لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر انہما و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

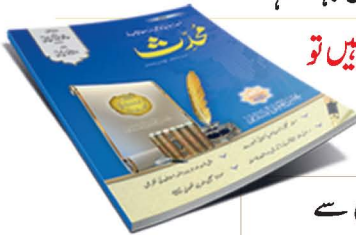
✪ **علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں نکل کا درجہ رکھتے ہیں**
لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دقتیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✪ **غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اقدار کے منافی ہے**
لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✪ **تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمت عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِح دینیہ کے خلاف ہے**
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✪ **آئین سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے**
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

✪ **جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے**
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔



اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

بہتاً
مہدیس
لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرز فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۶۰ روپے
- زمر سالانہ ۳۰۰ روپے